ابنِ صفی

جلد نمبر
10

جاسوسی دنیا

30- مونچھ مونڈنے والی

31- گیتوں کے دھماکے

32- سیاہ پوش لٹیرا

جاسوسی دنیا نمبر 32

سیاہ پوش لٹیرا

(مکمل ناول)

مسخرہ بھیڑیا

پلازا تھیٹر ہال میں رستم و سہراب کا ڈرامہ ہو رہا تھا۔ ملک کے شمالی حصے کی ایک مشہور تھیٹریکل کمپنی نے جو ملک کا دورہ کر رہی تھی پلازا تھیٹر کا ہال کچھ دنوں کے لئے کرائے پر حاصل کر لیا تھا اور کئی دنوں سے اپنے کمالات کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ اس دوران میں اس نے کئی ڈرامے اسٹیج کئے تھے جن میں رستم و سہراب بہت زیادہ مقبول ہوا تھا۔ لہٰذا آج جب کہ وہ اس شہر میں اپنا آخری پروگرام پیش کرنے جا رہی تھی پبلک کے اصرار پر اُسے "رستم و سہراب" ہی اسٹیج کرنا پڑا۔

ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ پبلک آخری ایکٹ کا بے چینی سے انتظار کر رہی تھی۔ آخری ایکٹ جس میں رستم و سہراب کی جنگ تھی۔ باپ بیٹے کی لڑائی.... باپ بیٹے جو نادانستگی میں ایک دوسرے سے لڑ گئے تھے۔ وہ سہراب جو اپنے باپ کی تلاش میں نکلا تھا ایک سازش کا شکار ہو کر اپنے باپ سے لڑ پڑا تھا۔

آخری ایکٹ کے لئے پردہ اٹھا اور ہال تالیوں سے گونجنے لگا۔

میدان جنگ کا منظر تھا۔ اسٹیج کے داہنے سرے سے نوجوان سہراب روشنی میں آیا اور اس کی چنگھاڑتی ہوئی آواز ہال کی محدود فضا میں ارتعاش پیدا کرنے لگی۔

"ایرانیو! ہے کوئی تم میں ایسا جو افراسیاب کے ایک ادنیٰ غلام سے ٹکرا سکے۔ میں وہ ہوں جس نے اژدھوں کے کلّے چیر کر رکھ دیئے ہیں۔ میں طوفان سے لڑا ہوں۔ میں نے دیوؤں کی

کھوپڑیاں توڑی ہیں۔ میری ایک ضرب پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر کے رکھ دیتی ہے۔ آؤ میرے سامنے۔ میں کوندے کی لپک ہوں.... میں زلزلہ ہوں.... میں طوفان ہوں.... میری ہیبت سے شیر اپنے غاروں میں جا چھپتے ہیں۔"

سہراب چیختا رہا۔ پھر تماشائیوں کی نظریں رستم کے پر ہیبت چہرے کی طرف اٹھتی ہیں جو اسٹیج کے بائیں گوشے سے آہستہ آہستہ روشنی میں آ رہا تھا۔

اسٹیج پر زہر سے ڈوبا ہوا ایک قہقہہ لہرایا۔

"ننھے بچے....!" رستم کی گھن گرج سنائی دی! بھاگ جا! شاید تیری ماں مر گئی ہے! ورنہ وہ تجھے ایرانیوں کے مقابلے پر آنے سے روک دیتی۔"

"تو کون ہے؟" سہراب نے حقارت سے پوچھا۔

"شہنشاہ کیکاؤس کا ایک ادنیٰ غلام.... ایران کا ایک معمولی سپاہی۔"

"جا کسی بڑے کو بھیج دے۔" سہراب نے حقارت سے کہا۔ "کسی معمولی آدمی کے بچوں کو یتیم کرنے سے مجھے کیا فائدہ ہوگا۔"

"بڑے ہمیشہ بڑوں ہی کے مقابلہ پر آتے ہیں۔" رستم نے کہا۔ "چل حربہ کر! معصوموں کی طرح شتر غمزے نہ دکھا۔"

"ہاتھی کو! مچھر کی بھنبھناہٹ پر غصہ نہیں آتا۔" سہراب مسکرا کر بولا۔ "جا میں تجھے معاف کرتا ہوں۔ ایران سے کہہ دے کہ سہراب کے مقابلے کے لئے اپنے روئین تنوں کو نکالے۔"

"چھوکرے! اجل تیرے سر پر ناچ رہی ہے۔"

"میں پھر سمجھاتا ہوں کہ میرے مقابلے کے لئے کسی بڑے کو بھیج!" سہراب بولا ورنہ میں خود ہی گھس پڑوں گا۔ شہنشاہ افراسیاب کے مور چھل کے لئے مجھے کیکاؤس کی ڈاڑھی اکھاڑنی ہے۔

"خاموش بے ادب" رستم نے تلوار کھینچ لی اور جھنجھلاہٹ میں وار کر بیٹھا.... سہراب اچھل کر ایک طرف ہٹ گیا اور اس نے بھی تلوار کھینچ لی۔

"چھوکریوں کی طرح ناچنے والے سنبھل....!" رستم نے دوسرا وار کیا۔

سہراب نے پھر خالی دے کر ہاتھ مارا۔ رستم نے اُس کی تلوار اپنی تلوار پر روک لی اور سہراب کو ریلتا ہوا پیچھے کی طرف لے چلا۔ سہراب ایک جگہ رک کر زور کرنے لگا۔ پھر دفعتاً

ڈھیل دے کر ایک طرف ہٹا.... تو رستم منہ کے بل نیچے چلا آیا۔ تماشائیوں نے قہقہہ لگایا۔
رستم اٹھا تو لیکن سہراب پر دوبارہ جھپٹنے کے بجائے تماشائیوں کی طرف منہ کر کے پالتھی مار کر فرش پر بیٹھ گیا۔ لوگ ہنستے رہے۔ اچانک رستم نے بھی ہنسنا شروع کر دیا اور اس بُری طرح کہ کبھی پیٹ دباتا تھا اور کبھی پیٹھ۔ تماشائی حیران رہ گئے۔
اس سے پہلے جب یہ ڈرامہ اسٹیج ہوا تھا تو کوئی ایسی بات نہیں ہوئی تھی۔ سہراب الگ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اُسے دیکھنے لگا تھا.... پھر عجیب قسم کا ہنگامہ برپا ہو گیا.... تماشائیوں کے شور میں پرومیٹر کی آواز دب کر رہ گئی جو اسٹیج کے داہنے گوشے سے رستم کو ماں بہن کی گالیاں دے رہا تھا۔ مگر رستم کی ہنسی کسی طرح نہ رکی۔ پردہ کھنچوانے کی کوشش کی گئی اس وقت اس کمبخت کو بھی نہ جانے کیا ہو گیا تھا۔ اپنی جگہ سے کھسکا ہی نہیں منتظمین کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یک بیک یہ کیا ہو گیا اور وہ اب کیا کریں۔ رستم مجمع کو گھورتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ اس نے تلوار پھینک دی ایک ہاتھ سر پر رکھا اور دوسرا کمر پر رکھ کر ناچنے لگا۔ پھر اپنی بھاری اور بے سری آواز میں گانا بھی شروع کر دیا۔
"ارے بلم ہر جائی.... بلم موہے چھیڑو نا.... سجن موہے چھیڑو نا.... آ.... آ.... آں۔"
پھر کسی نہ کسی طرح پردہ کھینچا گیا۔ اسٹیج کا ہنگامہ تو فرو ہو گیا۔ لیکن تماشائی ابھی تک شور مچا رہے تھے۔ تقریباً دو منٹ تک یہی کیفیت رہی۔ پھر ایک پستہ قد آدمی ایک ہاتھ میں مائیک لٹکائے ہوئے پردے سے باہر آیا۔
"خواتین و حضرات! ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے کسی دشمن نے رستم کو بھنگ پلادی ہے۔"
قہقہوں سے پورا ہال گونج اٹھا۔ وہ کچھ اور بھی کہتا رہا۔ لیکن اس قدر شور ہو رہا تھا کہ مائیک کی آواز بھی دب گئی تھی۔ پھر اچانک کسی نے اُس کے منہ پر کیلے کے چھلکے کھینچ مارے۔
کسی گوشے میں کوئی عورت چیخی۔ اور پورے ہال میں اندھیرا ہو گیا۔ کرسیاں ٹوٹنے لگیں۔ لوگ اندھیرے میں ایک دوسرے پر گر پڑے۔ عورتیں چیختی رہیں۔
گھونسوں اور تھپڑوں کی آوازیں بھی آرہی تھیں۔ کئی منٹ تک یہ ہنگامہ جاری رہا۔ پھر کچھ پولیس والے ٹارچیں روشن کئے ہوئے اندر داخل ہوئے۔

اسی کے ساتھ ہی ہال میں بھی روشنی ہو گئی۔ جو جہاں تھا وہیں تھم گیا نہ جانے کتنی کرسیاں چور ہو گئی تھیں۔ بہتیرے آدمیوں کے چہروں پر خون کی لکیریں تھیں۔ کئی عورتیں بیہوش پڑی ہوئی تھیں۔

دفعتاً باکس میں ایک عورت چیخنے لگی۔ ''میرا ہار.... میرا ہار۔''

اور وہ عورتیں جو بیہوش پڑی تھیں انہوں نے بھی ہوش میں آتے ہی اپنے کسی نہ کسی زیور کا نام لے کر چیخنا شروع کیا۔

پولیس نے آناً فاناً سارے دروازے مقفل کرا دیئے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ آج اس بے جگر لٹیرے کو پکڑ ہی لے گی جس نے پچھلے ایک ماہ سے سارے شہر میں طوفان بدتمیزی برپا کر رکھا تھا۔

جہاں کوئی انوکھی ڈکیتی ہوتی پولیس کا خیال اُسی حیرت انگیز آدمی کی طرف جاتا۔ اب تک وہ شہر میں کئی بڑی وارداتیں کر چکا تھا۔ لیکن اسکا طریقہ کار ایسا تھا کہ سن کر بے اختیار ہنسی آجاتی تھی۔ شہر کے اخبارات اس کا تذکرہ مسخرے بھیڑیئے کے نام سے کرتے تھے۔ وہ انتہائی پھرتیلا اور چابک دست تھا۔ بات کی بات میں لوگوں کو اُلو بناتا اور اپنا اُلو سیدھا کر کے یہ جا وہ جا۔ نظروں سے غائب۔''

بعض لوگوں نے اس کی صرف جھلکیاں دیکھی تھیں! اُن کے بیان کے مطابق وہ سر سے لے کر پیر تک سیاہ تھا۔ سیاہ پتلون۔ سیاہ جیکٹ اور چہرہ بھی سیاہ۔ کچھ کا کہنا تھا کہ وہ اپنا چہرہ سیاہ نقاب سے چھپائے رہتا ہے اور کچھ کہتے تھے کہ اس کا چہرہ ہی سیاہ تھا اور چہرے کی سیاہی اس کے لباس کی سیاہی سے مختلف نہیں تھی۔

غرضیکہ جتنے منہ اتنی باتیں.... اور بیچاری پولیس.... اُسے تو ایک بار بھی اس کا تعاقب ہی کرنے کا شرف نہیں حاصل ہو سکا تھا۔

اور پھر اُسے پولیس والون کے لئے ''ہوا'' بننے میں دیر نہ لگی۔ پتہ کھڑ کا اور بندہ بھڑ کا والی مثل پولیس والوں پر صادق آ گئی تھی۔ انہیں دن دہاڑے اس کے خواب آنے لگے تھے۔

اس وقت انہوں نے رستم کو بھنگ پلا دینے والا واقعہ سنا تو انہیں یہ یقین کر لینے میں دیر نہ لگی کہ یہ حرکت بھی اُس مسخرے بھیڑیئے کی ہے۔ آج سے چار دن قبل اُس نے اس سے بھی زیادہ مضحکہ خیز حرکت کی تھی۔

شہر کے ایک متمول تاجر کی لڑکی کی شادی تھی۔ بارات کی واپسی سے قبل ایک بڑے کمرے

میں جہیز کا سامان سجا دیا گیا تھا۔ رات کا وقت تھا کمرے میں بہت زیادہ پاور والے بلب روشن تھے۔ معزز مہمانوں کا مجمع جہیز کا دیدار کر رہا تھا کہ اچانک تیس چالیس فاختائیں پر پھڑ پھڑاتی ہوئی معزز مہمانوں پر ٹوٹ پڑیں۔ بھلا بجلی کی روشنی میں چندھیائے ہوئے پرندے یہ کب دیکھتے ہیں کہ اُن کا مقابل کوئی سیٹھ ہے یا ساہوکار، بیرسٹر ہے یا پروفیسر، کوئی شریف شہری ہے یا حاکم وقت۔ بہر حال بھگدڑ پڑ گئی بمشکل تمام اُن فاختاؤں کو باہر نکالا گیا اور پھر جب لوگوں کو ہوش آیا تو معلوم ہوا کہ خلیل خاں اپنا کام کر گئے۔ یعنی زیورات کا ڈبہ غائب تھا۔

تفتیش کرنے پر اتنا ہی معلوم ہو سکا کہ ایک آدمی جس نے بجلی گھر کے مستریوں جیسا لباس پہن رکھا تھا اپنے کاندھے پر ایک بہت بڑا تھیلا لادے ہوئے جہیز کے کمرے کی طرف گیا تھا چونکہ شادی کے سلسلے میں پورا گھر بجلی کے رنگین قمقموں سے سجایا گیا تھا اس لئے کسی کو اس پر شبہ بھی نہیں ہوا تھا۔ دیکھنے والے یہی سمجھے کہ وہ الیکٹرک کمپنی کا مستری ہی ہوگا۔ لیکن یہ بات اُن کے فرشتوں کو بھی نہیں سوجھ سکتی تھی کہ اُس کی پیٹھ پر لدے ہوئے تھیلے میں بجلی کے تاروں کی بجائے فاختائیں ہوں گی۔

یہی نہیں.... کئی اور بھی ایسے ہی مضحکہ خیز واقعات شہر میں ظہور پذیر ہوئے تھے۔ ان دنوں ہر سوسائٹی میں وہ دیدہ دلیر مسخرہ موضوع گفتگو بنا رہا تھا۔ اخبارات اس کے متعلق نت نئی کہانیاں تراشتے تھے اور وہ صحیح معنوں میں پبلک کا ہیرو بن کر رہ گیا تھا۔ پبلک کی اُس سے ہمدردی کی ایک وجہ اور بھی تھی وہ یہ کہ اب تک اُس نے کوئی خون نہیں کیا تھا۔ وہ تو چھلاوا تھا چھلاوا اِدھر آیا اُدھر گیا۔ لہٰذا لکیر پیٹنے والوں کو کیا ضرر؟

ہاں تو پلازا تھیٹر کے سارے دروازے مقفل کرا دیئے گئے۔ پولیس افسر نے اعلان کر دیا کہ کوئی اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ منیجر نے اپنی بہتری اسی میں دیکھی کہ پولیس آفیسر ہی سے اس کا بھی اعلان کرا دے کہ اب بقیہ ڈرامہ نہ پیش کیا جا سکے گا۔ یہ سب کچھ تو ہوا لیکن خود پولیس آفیسر کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اُس کا دوسرا قدم کیا ہونا چاہئے۔ ظاہر ہے کہ وہ اتنے بڑے مجمع میں کسے پکڑتا۔ اس حیرت انگیز لٹیرے کی شخصیت ابھی تک راز تھی۔ اگر وہ محض شہرت پائی ہوئی علامات کا سہارا لیتا تو اُسے کم از کم پچاس آدمیوں کو تو ضرور ہی حراست میں لینا پڑتا۔ کیونکہ سردیوں کا زمانہ تھا اس لئے بہتیرے فوجی سیاہ جیکٹوں سیاہ پتلونوں اور سفید دستانوں میں نظر آرہے تھے۔ رہ

گئی روسیاہی تو اُس کا دور دور تک پتہ نہیں تھا۔ یوں تو ہال میں سینکڑوں ہی کلوٹے رہے ہوں گے مگر وہ خاص قسم کی روائتی سیاہی کسی کے چہرے پر نہیں تھی۔ ویسے اگر پولیس ان کلوٹوں کو پکڑنا شروع کر دیتی تو نہ جانے کتنے مصنف شاعر افسانہ نگار اور آرٹسٹ قسم کے بے ضرر لوگ حوالات میں پہنچ جاتے۔

بڑی دیر بعد یہ بات پولیس آفیسر کی سمجھ میں آئی کہ ہال کا صرف ایک دروازہ کھولا جائے اور لوگ ایک ایک کر کے باہر نکلیں۔ باہر کھڑے ہوئے پولیس کانسٹیبل اُنکی تلاشیاں لیتے جائیں۔ تماشائیوں نے یہ تجویز سنی تو الف ہو گئے۔ لیکن حکم حاکم مرگ مفاجات۔ کان دبانے ہی پڑے۔ اس طرح ہال خالی ہونے میں تقریباً تین گھنٹے گذر گئے۔ لیکن لوٹے ہوئے زیورات کسی کے پاس سے برآمد نہ ہوئے۔

اس سے فرصت پا کر پولیس آفیسر تھیٹریکل کمپنی کے اداکاروں کی طرف متوجہ ہوا۔ رستم کا نشہ کم ہو گیا تھا اور وہ اپنی حرکت پر سخت شرمندہ تھا۔ لیکن قصور اس بیچارے کا نہیں تھا۔

"تم نے بھنگ کیوں پی تھی۔" پولیس آفیسر نے ڈپٹ کر پوچھا۔

"جناب والا مجھے علم نہیں تھا کہ میں بھنگ پی رہا ہوں۔ میں تو اُسے کولڈ ڈرنک سمجھ کر پی گیا تھا۔"

"کہاں سے آیا تھا۔"

"منیجر صاحب نے بھجوایا تھا۔"

"میں نے.... نہیں تو۔" پستہ قد منیجر اچھل کر بولا۔ "میں کیا جانوں۔"

"کون لایا تھا۔"

"مس زرینہ....!"

"مس زرینہ کون ہے؟" پولیس آفیسر نے اپنے گرد کھڑے ہوئے اداکاروں کو تیز نظروں سے دیکھ کر پوچھا۔

"جی میں ہوں۔" ایک خوبصورت سی لڑکی آہستہ سے بولی۔

"کیوں....؟"

"مجھ سے یہی کہا گیا تھا کہ وہ مسٹر اشرف کے لئے ہے۔"

"کس نے کہا تھا؟"

"میں اس کا نام نہیں جانتی۔ پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ بہر حال وہ منیجر صاحب کے کمرے ہی کی طرف سے آیا تھا۔"

"کیسا تھا.... اس کا حلیہ؟"

"گھنی ڈاڑھی تھی اور اس نے سیاہ جیکٹ اور سیاہ پتلون پہن رکھی تھی۔ ہاتھوں میں سفید دستانے تھے۔"

"اوہ....!" پولیس آفیسر پیر پٹخ کر بولا۔ "پہلے کیوں نہیں بتایا تم نے۔"

"کسی نے پوچھا ہی نہیں۔ میں سمجھی تھی کہ شاید مسٹر اشرف نے خود ہی کولڈ ڈرنک منگوایا تھا۔"

یہ گفتگو اسٹیج کے پیچھے گرین روم میں ہو رہی تھی۔ سارے ایکٹر اور پولیس والے وہیں اکٹھے تھے۔ دفعتاً ہال میں کسی کی چیخ سنائی دی۔ کوئی متواتر چیخے جا رہا تھا۔ پولیس والے دوڑ پڑے۔ انہیں ہال میں اپنی ہی برادری کا ایک آدمی دکھائی دیا۔ یعنی ایک کانسٹیبل جو ایک ستون سے چمٹا ہوا بری طرح چیخ رہا تھا۔ اس کا منہ ستون ہی کی طرف تھا اور ایک لمبی سی چھڑی اس کی گردن میں چبھی ہوئی تھی۔ جس کا دوسرا سرا دو کرسیوں کے درمیان میں پھنسا دیا گیا تھا۔

"یہ کیا حرکت....؟" پولیس آفیسر حلق پھاڑ کر چیخا اور ستون میں چمٹا ہوا کانسٹیبل گھبرا کر پلٹ پڑا۔

"ارے آپ.... وہ.... وہ....!" کانسٹیبل ہکلایا۔

"کیا بکتے ہو۔"

"جی ہاں.... وہ لے گیا۔ سارے زیورات یہاں تھے۔" اس نے کوڑے کرکٹ کے ڈبے کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے چاہا کہ اُسے پکڑ لوں لیکن اُس نے پستول نکال لیا۔ مجھ سے کہا کہ ستون سے لپٹ جاؤ۔ پھر میری گردن پر پستول کی نال رکھ دی اور کہا کہ اگر یہاں سے ہٹے تو گولی مار دوں گا۔"

"ابے یہ پستول ہے۔" پولیس آفیسر نے چھڑی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"مگر حضور! اُس نے پستول ہی....!"

"خاموش رہو۔ گدھے کہیں کے۔" پولیس آفیسر گرجا۔ "کدھر گیا وہ۔"

"حضور میری گردن پر تو....!"

"بکواس بند کرو۔" پولیس آفیسر آپے سے باہر ہو گیا۔ پھر اُس نے بقیہ کانسٹیبل کو للکارا۔

"تلاش کرو۔"

کانسٹیبل بے تحاشہ اِدھر اُدھر دوڑنے لگے۔

"تم خود کو معطل سمجھو۔" پولیس آفیسر نے مظلوم کانسٹیبل سے کہا۔

"نہیں.... نہیں.... سرکار میں بے قصور ہوں۔"

"بے قصور کے بچے! وہ محض تیری وجہ سے نکل گیا۔"

"حضور میری پستول پر گردن....!"

"شٹ اپ....!" پولیس آفیسر کی آواز کئی حصوں میں تقسیم ہو گئی۔

نقلی ہیرے

سرجنٹ حمید صبح ہی سے انسپکٹر فریدی کی ناک میں دم کئے ہوئے تھا۔ اتوار کا دن تھا۔ فریدی نے ناشتہ کر کے لائبریری کی راہ لی تھی۔ سرجنٹ حمید جسے مطالعہ سے ازلی بیر تھا اس حرکت کو کسی طرح برداشت نہ کر سکا۔ اس نے سوچا کہ جھنجھلانا اور تاؤ کھانا بیکار ہے۔ کیوں نہ وہ بھی آج ہی مطالعہ شروع کر دے۔ وہ اسی کے پیچھے ہی پیچھے لائبریری میں گھسا۔

فریدی نے اپنی مخصوص آرام کرسی پر لیٹ کر ایک کتاب کھول لی۔ حمید اُس الماری کے قریب آکر رک گیا جس میں ریاضی کی کتابیں تھیں۔ اُس نے ارتھمیٹک کی ایک کتاب نکالی، میز پر سے سادے کاغذ اٹھائے اور ایک جگہ جم گیا۔ یہ کتاب فریدی کے زمانہ طالب علمی سے تعلق رکھتی تھی۔ فریدی نے اس زمانے کی ساری کتابیں بڑی احتیاط سے رکھ چھوڑی تھیں۔ ان میں "الف سے اُلو" والی کتاب سے لے کر اُس وقت تک کی کتابیں پائی جاتی تھیں جب وہ ایم اے کر لینے کے بعد آکسفورڈ یونیورسٹی میں جرائم پر ریسرچ کر رہا تھا۔

سرجنٹ حمید نے کتاب کھولی اور اس طرح سر ہلا ہلا کر کاغذ پر پنسل گھسنے لگا جیسے سچ مچ وہ کوئی مشکل سوال حل کر رہا ہو۔ کبھی کبھی وہ ناک پر پنسل کی نوک رکھ کر کچھ سوچنے لگتا تھا۔ دفعتاً اُس نے فریدی کو مخاطب کیا۔

"ذرا یہ سوال تو بتائیے گا.... اگر باپ کی عمر بیٹے کی بیوی کی عمر کی چوگنی ہو تو بیٹے کی عمر بتاؤ

جبکہ باپ اور بیٹے کی عمر کا تناسب بیوی اور بیٹے کی عمر کے تناسب کے برابر ہو لیکن حقیقتاً ایسا نہ ہو۔"

فریدی اسے چند لمحے گھورتا رہا پھر بولا۔ "نکل جاؤ یہاں سے۔"

حمید بدستور ناک پر پنسل کی نوک رکھے خلا میں نظریں جمائے رہا۔ اُس نے ایک بار بھی فریدی کی طرف دیکھنے کی زحمت گوارا نہ کی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُس نے فریدی کا جملہ سنا ہی نہ ہو۔ فریدی بے اختیار مسکرا پڑا۔ وہ اُسے دیکھتا رہا۔

حمید نے پنسل کی نوک ناک پر سے ہٹا کر کان میں ڈالی اور اسے آہستہ آہستہ گھمانے لگا۔ پھر اس نے رافیل کی پینٹنگ پر نظریں جمائے ہوئے پائپ کے تمباکو کے ڈبے سے ایک چٹکی تمباکو نکال کر منہ میں ڈال لی۔ فریدی ہنس پڑا۔ لیکن حمید چونکا تک نہیں۔ اس کی سنجیدگی بدستور قائم تھی۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے تمباکو کی کڑواہٹ کی وجہ سے بُرا سا منہ بنایا اور فریدی کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"کیا میں نے پچھلی رات کو کونین کھائی تھی۔"

"گھونسہ کھاؤ گے اب تم۔ نکل جاؤ یہاں سے۔"

"اچھا دوسرا سوال بتا دیجئے۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "کسی چار ہزار مکعب گز کمرے کا پلاسٹر اکھاڑنے میں کتنا وقت صرف ہو گا جب کہ سترہ مکعب فٹ پلاسٹر اکھاڑنے میں کوئی وقت ہی نہیں صرف ہوتا۔"

"خدا کے لئے مت بور کرو۔"

"مکعب کسے کہتے ہیں۔"

"میں گردن دبا کر مار ڈالوں گا۔" فریدی جھنجھلا گیا۔

"ایک آدمی کی گردن سولہ انچ موٹی ہے اور ایک انچ دبانے میں دو پونڈ قوت صرف ہوتی ہے تو سولہ انچ دبانے میں کتنی قوت صرف ہو گی۔ جواب روپے آنے اور پائی میں نکالو۔"

"آخر چاہتے کیا ہو۔"

"میں چاہتا ہوں کہ آپ کتاب بند کر دیں۔ کتاب سے باہر کی دنیا بڑی حسین ہے۔"

"کیوں جھک مار رہے ہو۔ میں نے تمہیں کسی بات سے تو روکا نہیں۔" فریدی نے جھنجھلا کر کہا۔

"میرے لئے یہی کوفت کیا کم ہے کہ کتابیں آپ کو چاٹے ڈال رہی ہیں"

فریدی چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر بولا۔

"لغویت چھوڑو۔ ویسے کیا تمہیں اس وقت فرصت ہے۔"

"کیوں؟"

"میرا ایک کام کردو؟"

"ٹالنا چاہتے ہیں آپ مجھے! یقین رکھئے کہ میں نہیں پڑھنے دوں گا۔"

"خیر میں مجبور نہیں کروں گا۔" فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا اور پھر پڑھنے لگا۔

حمید نے کتاب بند کر کے شیلف میں لگادی اور پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔ "کیا کام تھا۔"

"کچھ نہیں....!" فریدی نے کتاب پر سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔

"اچھا تو پھر.... آٹھ بارہ، سولہ اور بیس کا عاد اعظم مشترک نکالئے.... جواب من سیر چھٹانک میں چاہئے۔ فری پاس اور کنسیشن بالکل بند رہے گا۔"

فریدی کچھ نہیں بولا۔ لیکن اُس کے چہرے سے جھنجھلاہٹ کے آثار بدستور قائم تھے۔

"تو نہیں بتائیں گے آپ کام....!" حمید نے پوچھا۔

"نہیں....!"

"اچھا تو پھر ایک سوال ہی بتا دیجئے۔"

"بھاگ جاؤ سور!" فریدی جھلا کر کھڑا ہو گیا۔

حمید جھک کر میزوں اور کرسیوں کے نیچے دیکھنے لگا۔ پھر سیدھا کھڑا ہو کر مایوسانہ انداز میں سر ہلاتا ہوا بولا۔ "شائد بھاگ گیا سور۔"

فریدی بڑبڑاتا ہوا لائبریری سے چلا گیا۔ اسی کے ساتھ حمید بھی باہر نکلا۔

فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی نے ریسیور اٹھالیا اور "ہیلو! ہاں! بھئی میں کیا بتاؤں سخت عدیم الفرصت ہوں.... لیکن ٹھہرو۔ میں کسی کو بھیجتا ہوں۔ پولیس میں تو رپورٹ ہو گی ہی.... اچھا.... اچھا.... مجھے کل ہی معلوم ہوا تھا.... لیکن بتایا نا کہ آج کل بہت مشغول ہوں۔"

فریدی ریسیور رکھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ لیکن حمید شائد آج پٹنا ہی چاہتا تھا۔ اس کی ناک بھی اُدھر ہی گھوم گئی۔ لیکن خلاف توقع فریدی کا موڈ بدل ہی گیا تھا۔ اُس نے حمید کو بڑے پیار سے مخاطب کر کے کہا۔

"حمید میاں سلمہ! ظاہر ہے کہ میرے بعد میری جائیداد کے وارث تم ہی ہو گے۔"

"بجا ارشاد ہوا قبلہ و کعبہ۔" حمید قدرے جھک کر بولا۔ "کہاں بھیجنے کا ارادہ ہے۔"

"بُری جگہ نہیں ہے۔ تم یقیناً پسند کرو گے۔"

"کام کی نوعیت! پیرو مرشد۔"

"رابعہ نکہت کو جانتے ہو۔" فریدی نے پوچھا۔

"وہی نک چڑھی جو تمباکو کے دھوئیں سے نفرت کرتی ہے۔" حمید بولا۔

"مجھے نہیں معلوم۔ میں تو اُس سے صرف ایک ہی بار ملا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"فرگوسن کے جنرل منیجر کی لڑکی ہے۔"

"جی ہاں! میں جانتا ہوں فرمائیے۔"

"وہ کسی معاملے میں میرا مشورہ چاہتی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"میں وہ معاملہ بھی جانتا ہوں۔ آپ کو شاید یہ نہیں معلوم کہ آج کل پھر میں باقاعدہ اخبار پڑھنے لگا ہوں۔"

"ہوں! اچھا کیا سمجھے۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔

"پلازا تھیٹر والے واقعے میں اُسے بھی چوٹ ہوئی تھی۔ اس کا ہار۔"

"ٹھیک.... وہ بُری طرح سر ہو گئی ہے۔" فریدی نے کہا۔ "ملنے کے لئے وقت مانگ رہی تھی۔ کل سے پیچھے پڑی ہوئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم اُس سے مل لو۔"

"مجھے نک چڑھی لڑکیوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ آپ اُسے ٹال ہی کیوں نہیں دیتے۔"

"اف فوہ! یہ ٹالنا نہیں تو اور کیا ہے۔ میں ایک بار مل کر اس کی رام کہانی سن لوں۔ ظاہر ہے کہ میں اس معاملے میں ہاتھ نہیں ڈالوں گا۔"

"کیوں....؟"

"بھئی مجھے اس لٹیرے کے معاملے میں کوئی الجھاوا نظر نہیں آتا۔ بس ذرا پھرتیلا ہے سول پولیس آپ سنبھال لے گی۔"

"مگر میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اس کا کیس ہمارے یہاں آنے ہی والا ہے۔"

"ہو گا....! ایک میں ہی تو نہیں۔ اور بھی ہیں۔"

"بہر حال یہ ماننا پڑے گا کہ ہے بڑا شاطر۔"

"ہے تو۔"

"تو اس سے میں کیا کہوں گا۔" حمید نے پوچھا۔

"موقعے پر جو سوجھ جائے۔"

حمید نے لباس تبدیل کیا۔ گیراج سے کیڈی نکالی اور چل پڑا۔ وہ رابعہ نکہت کی ٹھوڑی کے متعلق سوچ رہا تھا۔ جس کے درمیانی گڑھے میں بڑی سیکس اپیل تھی اور اُسے اس کے گداز بازو بھی یاد آرہے تھے جس پر سنہرے رنگ کے ننھے ننھے روئیں تھے اور پیروں کے انگوٹھوں کی بناوٹ کا خیال تو اس کی ریڑھ کی ہڈی میں گدگداہٹ ہی پیدا کرنے لگا تھا۔

مگر وہ ذرا بد مزاج تھی۔ غصے کی حالت میں اُس کے ہونٹ کھل جاتے تھے اور وہ پہلے سے بھی زیادہ حسین نظر آنے لگتی تھی۔ حمید نے اُسے اکثر شہر کی مشہور تفریح گاہوں میں دیکھا تھا اور اُس کے متعلق یہ رائے قائم کی تھی کہ وہ بہت مغرور ہے۔ اپنے ایک مخصوص حلقہ احباب سے آگے نہیں بڑھتی تھی اور شائد اُن سے بھی اتنی بے تکلف نہیں تھی کہ کوئی اسے "تم" کہہ کر مخاطب کر سکے۔ بہر حال آج وہ اُسے بہت زیادہ قریب سے دیکھنے جارہا تھا۔

رابعہ نے اس کا استقبال بڑے مایوسانہ انداز میں کیا۔ حمید کو یہ بات بہت کھلی لیکن وہ اپنے موقع کا منتظر رہا۔

"کیا فریدی صاحب اتنے ہی مشغول ہیں کہ مجھے پندرہ منٹ بھی نہیں دے سکتے۔" رابعہ نے کہا۔

"میرے خیال سے ضرور یہی بات ہے۔" حمید بولا۔

"لیکن معاملہ بہت پیچیدہ ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔" حمید نے خشک لہجے میں کہا۔ "لیکن میری آمد میں فریدی صاحب کا اعتماد بھی شامل ہے۔"

"اوہو! میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" وہ جلدی سے بولی۔

"غالباً معاملہ اسی ہار کا ہے۔" حمید نے کہا۔ "پلازا تھیٹر والی ڈکیتی کا شکار آپ بھی ہوئی تھیں۔"

"جی ہاں۔ آپ نے اخبارات میں پڑھا ہی ہوگا۔ پولیس نے میرا بیان بھی لکھ لیا ہے؟"

"اور میرا خیال ہے کہ اس میں ذرہ برابر بھی پیچیدگی نہیں۔"

"قطعی نہیں۔" رابعہ نے سر ہلا دیا۔

"پھر....!"

"ٹھہریئے! میں وہ ہار لاتی ہوں۔"

"جی....!" حمید چونک پڑا۔ "کیا مطلب۔"

"ابھی آئی۔"

"رابعہ چلی گئی اور حمید سوچ میں پڑ گیا۔ کسی نے اس کا ہار اتار لیا تھا اور وہ ہار لینے گئی ہے۔ یہ کس قسم کی پیچیدگی ہو سکتی ہے۔ کیا واقعی کوئی پیچیدگی ہو گئی ہے۔ پہلے تو حمید سمجھا تھا کہ وہ اسی بہانے سے فریدی سے رومان لڑانا چاہتی ہے۔"

رابعہ واپس آگئی اُس کے ہاتھ میں ایک ہار تھا۔ ہیروں کا ہار جس کی چمک آنکھوں میں خیرگی پیدا کر رہی تھی۔

"یہ ہار اس خط سمیت کل واپس آ گیا ہے۔" اس نے ہار اور خط حمید کی طرف بڑھا دیئے۔

حمید خط پڑھنے لگا۔

"محترمہ!

بُری بات ہے۔ مجھے تو اس میں کہیں بھی وہ ہیرا نظر نہ آیا جس کے متعلق مشہور تھا کہ وہ تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ کیا اس میں ایک بھی ہیرا نہیں۔ پورا ہار امیٹیشن کا ہے۔ لیکن امیٹیشن اعلیٰ قسم کا ہے۔ کوئی ماہر ہی اسے پرکھ سکے گا۔ بہر حال آپ کا ہار شکریئے کے ساتھ واپس کیا جا رہا ہے۔ اس کی تاریخی اہمیت کا پروپیگنڈہ کر کے دل بہلاتی رہئے۔ آپ کا مخلص

سیاہ پوش"

حمید نے خط ختم کر کے جواب طلب نظروں سے رابعہ کی طرف دیکھا۔

"اگر یہ امیٹیشن ہے تو ضرور بدلا گیا ہے۔" رابعہ بولی۔ "اب سے تین ماہ قبل یہیں کا ایک مشہور جوہری اسے دیکھنے کے لئے آیا تھا اور اس نے اس بات کی تصدیق کی تھی کہ سارے ہیرے اعلیٰ قسم کے ہیں۔"

"آپ نے کل کے بعد بھی اسے کہیں پرکھوایا۔" حمید نے پوچھا۔

"جی ہاں! اسی جوہری نے اب یہ کہہ دیا ہے کہ یہ سچ مچ امیٹیشن کا ہے۔"

"کون لایا تھا اسے۔"

"ایک لڑکا جس نے اس مردود کی شکل اچھی طرح نہیں دیکھی تھی۔ ویسے اس کا بیان ہے کہ اُس کے چہرے پر گھنی ڈاڑھی تھی۔"

"آپ نے پولیس کو اس واقعے کی بھی اطلاع دی یا نہیں۔"

"جی نہیں۔"

"کیوں؟"

"عجیب الجھن ہے۔ بات یہ ہے کہ ہمارے خاندان والے اس ہار کے متعلق بہت بڑی بڑی باتیں کر چکے ہیں۔ اب اس طرح امیٹیشن ثابت ہو جانا بڑی سبکی کی بات ہوئی۔"

"ہوں! ٹھیک ہے!" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "یہ بھی تو سوچئے کہ اُس مردود نے اس قسم کی حرکت شائد پہلی بار کی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس نے بدل لیا تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کی ضرورت ہی کیا تھی۔ ہار تو وہ لے ہی گیا تھا۔"

"آپ ٹھیک کہتی ہیں۔" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"ڈیڈی انگلینڈ میں ہیں۔ انہیں شائد ہار کے غائب ہو جانے کا اتنا ملال نہ ہوتا جتنا اس بات پر ہوگا کہ اُسے نقلی قرار دے کر واپس کر دیا گیا۔"

"ہوں.... اور.... ہو سکتا ہے کہ کسی نے یہیں اسے بدل دیا ہو۔"

"یہ بھی ناممکن ہے۔ کیونکہ یہ یا تو میری گردن میں رہتا ہے یا سیف میں.... کنجی میرے یا ڈیڈی کے پاس رہتی ہے۔"

"دنیا میں شائد ہی کوئی ایسا سیف ہے جسے کنجی کے بغیر نہ کھولا جا سکے۔"

"بہر حال یہی وہ الجھاوا ہے جس کے لئے میں فریدی صاحب کا تھوڑا وقت لینا چاہتی تھی۔"

"اگر میں ہی اس مسئلے کو حل کر دوں تو۔"

"اپنی خوش نصیبی سمجھوں گی۔"

"اچھا تو اسے اپنے ساتھ لئے جا رہا ہوں۔"

"بہتر ہے۔ لیکن میں نہیں چاہتی کہ یہ بات مشہور ہو۔"

"مطمئن رہیئے۔ ایسی کوئی بات نہیں ہو گی۔" حمید نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "گھر کے نوکروں کو تو اس کا علم ہو ہی گیا ہو گا۔"

"جی نہیں۔ کسی کو نہیں معلوم۔"

"یہ بہت اچھا ہے۔ میں شام کو آپ سے پھر ملوں گا۔"

"تکلیف کا بہت بہت شکریہ۔"

"کوئی بات نہیں۔"

حمید الجھن میں پڑ گیا تھا۔ واپسی میں اُس نے کیڈی کو توالی کی طرف موڑ دی۔ وہ اس بات کو چیک کرنا چاہتا تھا کہ پلازا تھیٹر میں لٹنے والی عورتوں میں سے کسی اور کو بھی تو انہیں حالات سے دوچار نہیں ہونا پڑا تھا۔ اس کا پتہ لگانا بہت ضروری تھا۔ اگر اس قسم کا کوئی دوسرا واقعہ بھی ہوا ہے تب تو اُس لٹیرے کا طریقہ کار یہی رہا ہو گا۔

چڑچڑا شوہر

کوتوالی سے حمید نے اُن عورتوں کے پتے حاصل کئے جو پلازا تھیٹر والی ڈکیتی کا شکار ہوئی تھیں اور پھر یکے بعد دیگرے اُن سے ملتا پھرا لیکن ان میں سے کسی کے ساتھ بھی یہ واقعہ پیش نہ آیا تھا۔ جس سے رابعہ دوچار تھی۔ لسٹ پر صرف ایک نام اور باقی رہ گیا تھا۔ حمید نے سوچا دردسری فضول ہے۔ لیکن پھر کسی خیال کے تحت چل پڑا۔

نعمان منزل ریلوے اسٹیشن کے قریب واقع تھی اور اُس علاقے کی اُن چند عمارتوں میں سے تھی جنہیں شاندار کہا جاسکتا تھا۔ حمید کیڈیلاک کو پائیں باغ کے اندر لیتا چلا گیا۔ لیکن اُسے پورٹیکو سے اِدھر ہی روک دینا پڑا کیونکہ پورٹیکو میں پہلے ہی سے ایک کار کھڑی ہوئی تھی۔ حمید اندر جانے سے قبل ہی سوچنے لگا کہ وہ کیسی ہو گی۔ نام تو بڑا لچکیلا تھا۔ زہرہ جمال۔ پتہ نہیں کسی جمال کی زہرہ تھی یا زہرہ جیسا حسن رکھتی تھی۔ حمید نے اپنا وزیٹنگ کارڈ اندر بھجوادیا۔ پھر اُسے کچھ دیر ڈرائنگ روم میں انتظار کرنا پڑا۔ یہاں بڑے بڑے فریموں میں کئی دلکش چہرے نظر آرہے تھے۔ انتظار کی اکتاہٹ سے پیچھا چھڑانے کے لئے حمید اندازہ لگانے لگا کہ ان میں سے زہرہ

جمال کون ہو سکتی ہے اور پھر ایک کھر کھراتی ہوئی سی آواز نے اُسے چونکا دیا۔

"فرمایئے۔"

حمید کھڑا ہو گیا۔ ایک دبلا پتلا سا بوڑھا آدمی اُسے گھور رہا تھا۔ ٹھوڑی پر گھنے بالوں والی فرنچ کٹ ڈاڑھی تھی۔ ایک آنکھ پر شیشہ چڑھائے ہوئے تھا۔ جس کا سیاہ فیتہ اس کی گردن میں تھا۔ سیاہ واسکٹ۔ سیاہ پتلون اور سفید قمیض میں وہ ایک خاصا فیشن ایبل بوڑھا معلوم ہو رہا تھا۔

"میں پلازا تھیٹر والے۔"

"جی ہاں....!" اُس نے بڑے تلخ لہجے میں حمید کی بات کاٹ دی۔ "سب یہیں آتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اس حادثے کا شکار اکیلی بیگم ہی نہیں ہوئی تھیں۔"

لفظ "بیگم" سن کر حمید نے اپنے اوپر تقریباً سو بار لعنت بھیجی اور سوچنے لگا کہ اس بوڑھے کی بیگم کو کیا حق حاصل ہے کہ وہ بڑھاپے میں بھی وہی نام استعمال کرے جو جوانی میں کرتی تھی۔ اس کھوسٹ کی بیگم.... زہرہ جمال.... لاحول ولا قوۃ.... اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اُس نے دو چار کچے کریلے چبا لئے ہوں۔ مگر اب چونکہ چلا ہی آیا تھا اس لئے تھوڑی دیر جھک مارنا حق تھا۔

"بات دراصل یہ ہے۔"

"ہر بات دراصل ہی ہوتی ہے۔" بوڑھے نے پھر اُسے جملہ پورا نہ کرنے دیا۔ درنقل بھی کوئی بات ہے۔"

حمید کو بڑا تاؤ آیا۔ لیکن صرف مسکرا کر رہ گیا۔

"شاید آپ اس وقت غصے میں ہیں۔" حمید بولا۔

وہ چند لمحے حمید کو گھورتا رہا پھر بولا۔

"مسٹر! خدارا اب آپ لوگ پیچھا بھی چھوڑیئے۔ جو کچھ گیا واپس نہیں آ سکتا۔ لیکن یہ کہاں کا انصاف ہے کہ مردے پر دولاتیں اور... زندگی حرام ہو گئی۔ ایک ہی بات کو کہاں تک دہرایا جائے۔"

دفعتاً قریب ہی کے کسی کمرے میں ایک بڑی سریلی سی آواز گونج کر رہ گئی۔ حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کے کانوں میں کھٹ مٹھے شربت کی پچکاری مار دی ہو۔

"میرا تعلق محکمہ سراغ رسانی سے ہے اور یہ کیس ابھی تک سول پولیس کے پاس تھا۔" حمید نے کہا۔

"میں سمجھتا ہوں۔" بوڑھے نے کہا۔ "آپ سرجنٹ ہیں۔ آپ کے بعد کوئی انسپکٹر صاحب تشریف لائیں گے۔ان کے بعد کوئی سپرنٹنڈنٹ پھر ڈی۔ آئی۔جی صاحب۔ آئی.جی صاحب تک بھی غنیمت ہے۔ لیکن اگر کہیں آنریبل ہوم منسٹر بھی اس کیس میں دلچسپی لے بیٹھے تو مجھے گھر چھوڑ کر بھاگنا پڑے گا۔"

"اُف فوہ!ڈارلنگ.....!" سریلی آواز ڈرائننگ روم میں گونج کر رہ گئی۔ حمید چونک کر مڑا۔ پچھلے دروازے میں ایک جوان العمر عورت کھڑی تھی۔ "کیوں خواہ مخواہ بات کا بتنگڑ بنا رہے ہو۔ کیا فائدہ۔"

"بیگم! بھئی تم کہاں چلی آئیں۔ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں! آج ٹھنڈک بہت ہے۔" بوڑھا بوکھلاہٹ میں آگے بڑھتا ہوا بولا۔

حمید نے محسوس کیا جیسے عورت نے اُس کا نوٹس ہی نہ لیا ہو۔ وہ دروازے سے صوفوں کے قریب آ گئی۔

"تشریف رکھئے۔" اُس نے حمید سے کہا۔ حمید بیٹھ گیا۔ سامنے والے صوفے پر وہ خود بھی بیٹھ گئی۔ بوڑھا منہ کھولے کھڑا رہا۔ حمید اُس عورت کے متعلق سوچنے لگا تھا کہ اتنی سریلی آواز کی مالک ہونے کی بناء پر اُسے کوئل ہی سے تشبیہہ دی جا سکتی ہے حالانکہ وہ خاصی کلوٹی تھی مگر تھی دلکش۔ سارا حسن اس کی آنکھوں میں تھا۔ عمر انیس بیس سے زیادہ نہ رہی ہو گی۔ حمید کو سیاہی مائل اور لذیذ رس گلے یاد آ گئے۔ رسیلے! لیکن شیرینی کے ساتھ ہی ہلکا سا نمک بھی رکھنے والے۔

"محترمہ زہرہ جمال!" حمید نے آہستہ سے کہا۔

"جی ہاں۔" زہرہ بولی۔ پھر بوڑھے کی طرف پلٹ کر بڑے پیار بھرے لہجے میں کہا۔ "آپ کی کافی ٹھنڈی ہو رہی ہے۔"

"آن .... ہاں.... کافی!" بوڑھا جو شائد کچھ اور سوچ رہا تھا چونک پڑا۔ "لیکن تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ٹھنڈک.....!"

"میں ابھی آتی ہوں۔" اس نے لاپروائی سے کہا۔

بوڑھا حمید کو گھورتا ہوا چلا گیا۔

"ہاں تو فرمائیے۔" اس نے حمید کو مخاطب کیا۔

''یہ جمال صاحب بہت غصہ ور آدمی معلوم ہوتے ہیں۔'' حمید نے کہا۔

''کون جمال صاحب۔''

''یہ آپ کے....!''

''اوہو! آپ کو غلط فہمی ہوئی۔'' وہ ہنس کر بولی۔ ''میرا نام ہی زہرہ جمال ہے۔ جمال سے مراد یہ نہیں کہ میرا نام شوہر کے نام سے مرکب ہے۔ اُن کا نام تو صغیر بابر ہے۔''

حمید دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ اگر آپ کا نام زہرہ جمال ہے تو میں سارے ستاروں پر کولتار کا پلاسٹر کرادوں گا۔ زہرہ کی مٹی کیوں پلید فرمائی۔ آپ کے والدین نے اگر آسمان ہی پر کمند پھینکنے کا حوصلہ تھا ویسے پوری رات پڑی ہوئی تھی۔

''خیر بہر حال۔'' حمید نے آہستہ سے کہا۔ ''بات یہ ہے کہ اب اس معاملے میں محکمہ سراغ رسانی بھی دلچسپی لے رہا ہے۔''

''ہاں.... تو پھر....!'' وہ حمید کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے بولی۔

''شائد آپ کا نکلس تھا۔''

''جی ہاں.... اور وہ اُس وقت اتارا گیا تھا جب ہال میں روشنی ہو گئی تھی۔''

''روشنی میں۔''

''ہاں.... میں باکس میں تھی۔ پیچھے سے کسی نے مجھے دھکا دے کر نکلس اُتار لیا۔''

''آپ نے اُسے دیکھا نہیں۔''

''صرف ہلکی سی جھلک دیکھی تھی اور اسکے متعلق اتنا ہی بتا سکتی ہوں کہ وہ سیاہ لباس میں تھا۔''

''چہرہ بھی سیاہ تھا۔'' حمید نے پوچھا۔

''اتنا نہیں دیکھ سکی۔''

حمید جلد سے جلد پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔ اپنی گھڑی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ''اس کے علاوہ آپ کچھ اور معلومات بھی فراہم کر سکیں۔''

''میں نہیں سمجھی۔''

دفعتاً ایک خیال حمید کے ذہن کی سطح پر غیر متوقع طور پر ابھر آیا۔

اُس نے جیب میں رکھی ہوئی عورتوں کی فہرست نکالی۔ ان کے نام اور پتے بلند آواز میں

دہرانے کے بعد بولا۔ ''ان میں سے کسی کو آپ جانتی ہیں۔''

''میں ان میں سے سبھی کو جانتی ہوں۔ ان میں سے تین تو میری عزیز ترین دوست ہیں۔''

''کون کون۔''

''رابعہ نکہت، سعیدہ سلطان اور صابرہ زیدی۔''

''رابعہ نکہت صاحبہ کا ہار بہت قیمتی تھا۔'' حمید نے کہا۔

''جی ہاں مجھے اس کا افسوس اپنے نکلس سے زیادہ ہے۔''

''بھلا کیوں!'' حمید نے بڑی آرٹسٹک قسم کی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

''ظاہر ہے کہ وہ میرے نکلس سے کہیں زیادہ قیمتی تھا اور رابعہ کو میں بہت عزیز رکھتی ہوں۔ اس ہار کا ایک ہیرا تاریخی اہمیت رکھتا ہے۔''

''بقیہ دوسری عورتوں کو بھی آپ بخوبی جانتی ہوں گی۔''

''جی ہاں۔ بات یہ ہے کہ ہم سب ویمنز کلچر سنٹر کے ممبر ہیں۔''

''اوہ....؟'' حمید کچھ سوچ کر رہ گیا۔

''معاف کیجئے گا۔'' زہرہ مسکرا کر بولی۔ ''میرا خیال ہے کہ شائد پولیس اُس لٹیرے کو پکڑنے میں ناکام رہے گی۔''

''کیوں؟''

''اتنے دن تو ہو گئے۔ ابھی تک پولیس نے کیا کر لیا۔''

''آپ اور رابعہ ساتھ ہی گئی تھیں۔'' حمید نے پوچھا۔

''نہیں۔ مجھے تو دوسرے دن اخبارات سے معلوم ہوا تھا کہ وہ بھی شکاروں میں سے تھی۔''

''آپ تنہا ہی گئی تھیں۔'' حمید نے پوچھا۔

''نہیں تو۔ میرے ساتھ وہ ڈاکو بھی تھا۔'' زہرہ ہنس کر بولی۔ حمید بھی ہنسنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ شائد یہ گلاب جامن بے تکلف ہونا چاہتی ہے۔

''ارے بھئی بیگم....!'' بوڑھے کی آواز پھر سنائی دی۔

''ڈیئر! میں اب بالکل ٹھیک ہوں۔ تم خواہ مخواہ پریشان ہو رہے ہو۔'' زہرہ نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔

بوڑھا آکر اس کے قریب بیٹھ گیا۔ حمید نے بھی سوچا کہ اب بڑے میاں کو تنگ ہی کرنا چاہیئے۔

"ہاں تو آپ کتنے دنوں سے ویمنز کلچر سنٹر کی ممبر ہیں۔" حمید نے زہرہ کو مخاطب کیا۔

"یہ سوال قطعی غیر ضروری ہے۔" بوڑھا اپنی کمسن بیوی کے بولنے سے پہلے ہی بول پڑا۔

"بابا صاحب! بالکل ضروری ہے۔" حمید نے کہا۔

"کیا مطلب! بابا صاحب۔" بوڑھا اپنی آواز میں جوانی کی لہر پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔ "آپ کو شریف آدمیوں سے تخاطب کا بھی سلیقہ نہیں۔"

"معاف کیجئے گا۔ مجھے ندامت ہے۔ عادت سے مجبور ہوں۔ بزرگوں کو اسی طرح مخاطب کرتا ہوں۔"

"تفتیش ختم ہوئی یا نہیں۔" بوڑھا ہتھے سے اکھڑ گیا تھا۔

"جی نہیں دو ایک سوالات اور کروں گا۔"

"ڈارلنگ.... پلیز....!" زہرہ اپنے شوہر کا بازو پکڑ کر اٹھاتی ہوئی منمنائی۔ سرکاری آدمیوں سے ایسی باتیں نہیں کی جاتیں۔"

"سرکاری آدمی.... ہونہہ.... سرجنٹ!" بوڑھا منہ بگاڑ کر بولا۔ "مسٹر! میں بھی سپرنٹنڈنٹ پولیس رہ چکا ہوں۔ میں نے ایسی تفتیش آج تک نہ دیکھی نہ سنی۔"

"زمانہ بہت بدل چکا ہے۔ ڈارلنگ....!" زہرہ اُسے دروازے کی طرف کھینچتی ہوئی بولی۔ "تم زیادہ زور سے باتیں کرتے ہو تو میرا دل دھڑکنے لگتا ہے۔ ہٹو بھی ڈیئر اندر چلو....!"

حمید کو ہنسی آرہی تھی لیکن ضبط کئے رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اچھا تو یہی وہ حضرت ہیں.... صغیر بابر... ریٹائرڈ ایس۔ پی جنکے متعلق اُس نے سن رکھا تھا کہ وہ قبر میں بھی اپنے ساتھ ایک عورت لے جائیں گے۔ تب تو یہ بیچارہ حق بجانب ہے۔ عیاش لوگ عموماً اپنی بیویوں پر کڑی نظر رکھتے ہیں اور پھر یہاں تو معاملہ ایک ایسے عیاش کا تھا جو بڑھاپے میں بھی ایک نوجوان بیوی رکھتا تھا۔

"اچھا تو میاں صغیر بابر صاحب۔" حمید نے دل میں کہا۔ "میں تمہاری زندگی تلخ کردوں گا۔ تم نے بھی تو آخر جوانی میں بہتوں کی زندگیاں تلخ کی تھیں۔"

حمید کو وہ کہانیاں یاد آنے لگیں جو اس نے صغیر بابر کے متعلق سن رکھی تھیں۔ صغیر بابر!

جوانی میں جب وہ صرف ایک سب انسپکٹر تھا اپنے علاقے کے لئے عذاب ہو جایا کرتا تھا۔ لوگ اُس کے تبادلے کے لئے دعائیں مانگا کرتے تھے۔ اس کے علاقے کے لوگ اپنی جوان بہو بیٹیوں کو اُس وقت تک کے لئے کہیں باہر بھیج دیتے تھے جب تک اُس کا قیام وہاں رہتا تھا۔ اس نے نہ جانے کتنی باراتوں سے دلہنیں غائب کرادی تھیں۔ اُس کی رشوت میں عورت ضرور شامل ہوا کرتی تھی اور اب یہی صغیر بابر حمید کو ہنسی آگئی۔

"معاف کیجئے گا۔" زہرہ نے کہا جو اپنے شوہر کو اندر چھوڑ کر واپس آگئی تھی۔ "صغیر صاحب کچھ چڑچڑے ہوگئے ہیں۔ ویسے کیا آپ صرف سرجنٹ ہیں؟ آپ کی گاڑی تو بڑی شاندار ہے۔"

"جی ہاں کیڈی لاک ہے۔"

"کیڈی لاک!" اُس نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔

"جی ہاں۔ اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"اوہ.... کچھ نہیں.... یونہی....!"

"میں یہ پوچھنا چاہتا تھا۔" حمید نے کہا۔ "ویمنز کلچر سینٹر کی ممبر آپ کب سے ہیں۔"

"شائد ڈیڑھ سال سے۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔ جن عورتوں کے زیورات غائب ہوئے ہیں وہ سب ہی ویمنز کلچر سنٹر کی ممبر تھیں۔"

"جی ہاں.... ہے تو عجیب بات۔" وہ سر ہلا کر بولی۔

"کیا مجھے تمام ممبران خواتین کے پتے مل سکیں گے۔"

"ہاں کیوں نہیں۔ سیکریٹری سے ملئے۔"

"لیکن میں یہ نہیں چاہتا کہ یہ بات مشہور ہو جائے۔"

وہ کچھ دیر تک سوچتی رہی پھر بولی۔

"اچھا۔ میں کوشش کروں گی۔ لیکن آپ ملیں گے کہاں۔"

"جب بھی ملنا ہو چار دو چھ پر فون کردیجئے۔"

"بہت بہتر! لیکن ابھی تک آپ نے اپنا تعارف نہیں کرایا۔" زہرہ جمال مسکرا کر بولی۔

"مجھے حمید کہتے ہیں۔"

''سرجنٹ حمید.... اوہ....!'' زہرہ جمال چہک کر بولی۔ ''فریدی حمید اینڈ کمپنی۔ آپ لوگوں کے تو بڑے چرچے رہتے ہیں۔ بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔''

حمید کی نظریں اُس کے سینڈلوں پر جمی ہوئی تھیں جن سے اُس کے پیروں کی سبک انگلیاں جھانک رہی تھیں۔ پیروں کی بناوٹ کی دلکش ہے۔ حمید نے سوچا۔

اس کے بعد زہرہ جمال کی زبان کی قینچی جو چلی ہے تو پیچھا چھڑانا ہی محال ہو گیا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اب اٹھ کر بھاگے۔ اگر کہیں بڑے میاں نے ایک چکر اور لگالیا تو ستم ہی ہو جائے گا۔ مگر شائد وہ اُسے کوئی بہت بڑا دلاسہ دے کر آئی تھی۔

حمید بار بار گھڑی دیکھ رہا تھا اور زہرہ جمال نے اُس کے مشہور کیسوں کا تذکرہ چھیڑ دیا تھا۔

''ارے بھئی بیگم!'' صغیر بابر پھر چڑھ دوڑا۔ ''ختم ہوئی انکوائری۔''

حمید نے اطمینان کا سانس لے کر اٹھتے ہوئے کہا۔ ''ہاں! تکلیف کا بہت بہت شکریہ۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ ہی وہ مشہور زمانہ ایس۔ پی صغیر بابر ہیں اسے میں اپنی خوش قسمتی سمجھتا ہوں کہ اچانک آج آپ سے پہلے ملاقات ہوگئی اور میں اپنی گستاخیوں کی معافی چاہتے ہوئے ایک بار پھر عرض کرتا ہوں کہ آپ ہر معاملے میں میرے بزرگ ہیں۔''

بوڑھے نے اُسے تیکھی نظروں سے دیکھتے ہوئے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھادیا۔ پھر مصافحہ کرتے وقت حمید نے زہرہ جمال کی طرف مڑ کر کہا۔ ''شائد میں پھر آپ کو تکلیف دوں۔''

''کیوں؟ اب کیوں؟'' بوڑھا بھرائی ہوئی آواز میں چیخا۔ وہ بڑبڑاتا رہا اور حمید مسکراتا ہوا باہر نکل گیا۔

لٹیرے کی زبردستی

واپسی پر شام ہوگئی!

نوکر نے اُسے بتایا کہ کوئی صاحبہ اُسے کئی بار فون کر چکی ہے۔ فریدی کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ اس کے جانے کے بعد سے اب تک لائبریری ہی میں ہے۔ حمید کو پھر تاؤ آ گیا۔

''بس اب میں آخری سوال پوچھنا چاہتا ہوں۔'' اُس نے لائبریری میں پہنچ کر زور سے کہا۔

"آ گئے تم۔"

"ابھی نہیں آیا۔ سوال یہ ہے کہ ایک آدمی دن میں پچاس مرتبہ بور ہوتا ہے۔ اگر پچاس آدمی بیک وقت بور ہونا شروع کر دیں تو پاس پڑوس والوں کا کیا حال ہوگا جب کہ ایک میل سترہ سو ساٹھ گز کا ہوتا ہے۔"

فریدی نے کتاب ایک طرف رکھ دی اور اٹھ کر حمید کی پیٹھ ٹھونکتا ہوا بولا۔ "بہت اچھے! جواب یہ ہے کہ چلو تفریح کریں گے۔"

"ہائیں۔" حمید اچھل کر بولا۔ "اب اس وقت تفریح جب بولنے کی بھی سکت نہیں رہ گئی۔"

"تو کیا صبح سے اب تک صغیر بابر ہی کے یہاں رہے۔"

"آپ کو کیسے معلوم ہوا؟" حمید آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر فریدی کو دیکھنے لگا۔

"یہ مشکل سوال کیا ہے تم نے۔" فریدی مسکراتا ہوا بولا۔ "مگر یہاں بھی فون ہے اور صغیر بابر کے گھر پر بھی ہے۔"

"یعنی.....!"

"لا یعنی.....! یعنی کہنے کی عادت ترک کر دو۔ صغیر بابر نے فون پر تمہاری شکائت کی تھی۔"

"کیا شکائت کی تھی؟"

"یہی کہ تم اُس کا اور اُس کی بیوی کا بھیجا چاٹ رہے ہو؟"

"اب چاٹوں گا۔" حمید اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ وہ کچھ اور بھی کہنے جا رہا تھا کہ ایک نوکر نے آکر فون کی اطلاع دی۔

حمید لائبریری سے فریدی کے کمرے میں آیا۔

"ہیلو.....!"

"کون صاحب بول رہے ہیں۔" دوسری طرف سے نسوانی آواز آئی۔

"سرجنٹ حمید۔ آپ کون ہیں۔"

"اوہ حمید صاحب۔ میں زہرہ جمال۔ کئی بار فون کر چکی ہوں۔ وہ دیکھئے ایک پتہ تو آپ اسی وقت نوٹ کر لیجئے۔"

حمید بے اختیار مسکرا پڑا۔

"ذرا ٹھہریئے۔" وہ تھوڑی دیر کے لئے رکا اور پھر اس طرح "ہاں ہاں" کرنے لگا جیسے سچ مچ پتہ نوٹ کر رہا ہو۔

"بہت بہت شکریہ۔" اس نے خالص بچکانے لہجے میں کہا۔ "آپ بہت اچھی ہیں۔ میں دوپہر سے آپ ہی کے متعلق سوچ رہا ہوں۔"

"کیا سوچ رہے ہیں۔"

"یہی کہ آپ بہت اچھی ہیں اور مجھے نہ جانے کیوں ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے ہم دونوں بچپن میں ساتھ کھیلے ہوں۔ میں نے آپ کی گڑیا چھین کر پھاڑ دی ہو۔ آپ نے میرا منہ نوچا ہو.. اور میں نے آپ کی چوٹی کھینچی ہو.. اوہ معاف کیجئے گا شائد میں پاگل پن کی باتیں کر رہا ہوں۔"

حمید نے دوسری طرف قہقہے کی آواز سنی۔

"آپ بڑی دلچسپ باتیں کرتے ہیں۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"معاف کیجئے گا۔ میں بعض اوقات باتوں کی رو میں یہ بھول جاتا ہوں کہ مخاطب کون ہے۔" حمید دردناک آواز میں بولا۔

"ارے.... کوئی بات نہیں۔"

"اچھا اب فی الحال اجازت چاہتا ہوں۔" حمید نے کہا اور ریسیور رکھ کر جانے کے لئے مڑا!۔

فریدی دروازے میں کھڑا اسے گھور رہا تھا۔

"کون تھی۔"

"زہرہ جمال.... کیپٹن بابر کی بیوی۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"اور تم اُس سے ایسی باتیں کر رہے تھے۔"

"کیوں! کون سی ایسی بُری باتیں تھیں۔"

"وہ بُرا آدمی ہے۔" فریدی بولا۔

"اور میں ایک شریف آدمی ہوں۔ بہرحال آپ اس چکر میں نہ پڑیئے۔ میں اس کے بڑھاپے کو لالہ زار بنا دوں گا۔"

"دیکھو فرزند!" فریدی اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔ "اس میں خواہ مخواہ میری بھی بدنامی ہوتی ہے اور پھر اُس بیچارے کا دل دکھا کر تمہیں کیا ملے گا۔"

"بیچارا کہہ رہے ہیں آپ اُسے۔ سرکار والا اُس نے بھی لاکھوں کا دل دکھایا ہے۔"

"اور مجھے افسوس ہے کہ تمہارے بڑھاپے پر بھی یہی داغ لگنے والا ہے۔"

"جناب مجھے غلط سمجھے ہیں۔" حمید نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔ "میں شریف عورتوں کی عزت کرتا ہوں۔ میں نے کبھی کسی شریف عورت کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اور خدا کی قسم میں نے کمینی عورتوں سے بھی اپنا دامن بچایا ہے.... اور....!"

ٹیلی فون کی گھنٹی پھر بجنے لگی۔ حمید نے ریسیور اٹھالیا۔

"ہلاؤ....!" وہ گنگنایا۔ "حمید اسپیکنگ۔"

"اوہ.... حمید صاحب.... دیکھئے ایک پتہ اور یاد آگیا ہے۔ لکھ ہی لیجئے تو بہتر ہے۔"

"اچھا ٹھہرئیے۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "ہاں.... بولئے۔"

وہ سن کر "ہاں ہاں" کرتا رہا۔ پھر اُس نے جلدی سے "شکریہ" کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

"دیکھا آپ نے۔" حمید نے فریدی کی طرف مڑ کر کہا۔ "یہ تو میری ہی جان کو آگئی۔"

"تم نے بُرا کیا حمید صاحب۔" فریدی بولا۔

"نہیں ایسا بُرا بھی نہیں۔ آپکو شاید یہ نہیں معلوم کہ میں اس لٹیرے میں دلچسپی لے رہا ہوں۔"

"ہوں.... اچھا پھر....!"

"بیٹھ جائیے۔" حمید نے کہا۔ "ایک لمبی داستان ہے۔ رابعہ نکہت والا معاملہ یقیناً الجھاوے دار ہے۔"

فریدی سگار سلگانے لگا۔

حمید اپنی اور رابعہ کی گفتگو دہرا رہا تھا۔ فریدی کی پیشانی پر شکنیں تھیں۔ لیکن ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی تھی۔ پورے واقعات دہرانے کے بعد حمید نے رابعہ والا ہار فریدی کی طرف بڑھا دیا۔

فریدی چند لمحے ہار کو غور سے دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔ "واقعی حیرت انگیز نقل ہے۔ عمدہ قسم کا امیٹیشن! یعنی نقل ہونے کی صورت میں بھی اس کی قیمت ایک ہزار سے کسی طرح کم نہ ہوگی۔"

"میں نے سوچا۔" حمید نے کہا۔ "کہ میں ان ساری عورتوں سے ملوں جو پلازا تھیٹر میں لوٹی گئی تھیں۔ بہر حال کسی نے ایسی کوئی رپورٹ نہیں دی جو رابعہ کو پیش آئے ہوئے واقعے سے مطابقت رکھتی۔ انہیں میں زہرہ جمال بھی تھی۔"

"ٹھیک.... لیکن اسی پر کیوں زیادہ زور دے رہے ہو۔"

"پہلی بات تو یہ کہ صغیر بابر کی ضد میں۔ دوسری بات ابھی نہیں بتاؤں گا۔"

"کیوں.....!"

"مناسب نہیں سمجھتا۔" حمید نے فریدی کے لہجے کی نقل اتاری۔

"تمہاری مرضی۔"

"لیکن میں ایک مسئلے پر آپ سے ضرور بحث کرنا چاہتا ہوں۔" حمید بولا۔

"کس مسئلے پر۔"

"اسی ہار کے متعلق۔ ظاہر ہے کہ رابعہ نے نقلی ہار نہ پہنا ہوگا۔ لیکن اگر وہ اصلی تھا تو اُس لٹیرے نے یہ حرکت کیوں کی۔ اور کسی کے ساتھ تو اس نے ایسا نہیں کیا۔"

"سوال زیادہ بحث طلب نہیں معلوم ہوتا۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ رابعہ نے نقلی ہی ہار پہنا ہو۔"

"اور پھر خواہ مخواہ ہمیں تکلیف دی ہو۔" حمید ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

تم نہیں سمجھے۔ ضروری نہیں کہ رابعہ اس سے واقف ہی رہی ہو کہ وہ نقلی ہار پہنے ہوئے ہے۔

"تو آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہار گھر ہی میں کسی نے بدل دیا۔"

"سیدھی سی بات ہے۔" فریدی نے کہا۔ "تم خود سوچو! اگر یہ حرکت اُسی لٹیرے کی ہے تو اس کا مقصد کیا ہو سکتا ہے۔ اگر وہ اس سے پہلے بھی اس قسم کی کوئی حرکت کر چکا ہوتا تو بھی سوچا جاسکتا تھا۔ لہٰذا ایسی صورت میں اس کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ ہار گھر ہی میں بدلا گیا اور رابعہ کو اس کی خبر نہیں ہوئی۔ حتیٰ کہ وہ اُسے استعمال بھی کرتی رہی۔"

"لیکن وہ تو کہتی ہے کہ گھر میں اس کا بدلا جانا ممکن ہی نہیں۔"

"کوئی بات ناممکن نہیں ہوتی۔" فریدی بولا۔ "ویسے تم اس ہار کے متعلق بعض اہم باتیں نہیں جانتے یہی وجہ ہے کہ.....!"

ابھی جملہ پورا بھی نہیں ہوا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی پھر بجی۔

"لاحول ولا قوۃ۔" حمید جھنجھلا کر کھڑا ہو گیا۔

"ہیلو.....!"

"کون صاحب بول رہے ہیں۔" دوسری طرف سے ایک گھٹی گھٹی سی نسوانی آواز آئی۔

"سرجنٹ حمید....!"

"اوہ۔ حمید صاحب خدا کے لئے جلدی آیئے۔ میں خطرے میں ہوں۔"

"آپ کون ہیں؟"

"رابعہ.... رابعہ نکہت.... جلد آیئے۔"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔

"کیوں! کون تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"رابعہ! کہتی ہے جلد آیئے۔ میں خطرے میں ہوں۔"

"خطرہ! کس قسم کا خطرہ۔"

"یہ نہیں بتایا۔"

فریدی نے گھڑی کی طرف دیکھا ساڑھے سات بجے تھے۔

"چلے جاؤ۔" فریدی نے کہا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ اُس پر اس قدر مہربان کیوں ہو گئے ہیں۔"

"بھئی اس سے تو میں صرف ایک ہی بار ملا ہوں لیکن اس کے باپ سے میرے بڑے اچھے تعلقات ہیں۔ چلے جاؤ۔ مگر ایک بات کا خیال رکھنا۔"

"کیا....؟"

"یہی کہ میرے اور اُس کے باپ کے بڑے اچھے تعلقات ہیں۔"

"اور آپ میرے باپ ہیں۔" حمید جھلا کر بولا۔ "کہیں آپ کو اس کے باپ سے کوئی استدعا نہ کرنی پڑے۔ میرے خیال سے تو آپ ہی تشریف لے جایئے۔"

"چلو بچپنا چھوڑو۔ میں تمہیں کافی شریف سمجھتا ہوں۔"

"سرکار والا۔ وہ ایک الٹرا موڈرن لڑکی ہے۔ میں نہیں جا سکتا۔ اگر اُس نے زبردستی میری زندگی برباد کر دی تو کیا ہو گا۔"

"بکواس مت کرو۔ جاؤ۔"

"نہیں جاتا۔" حمید اکڑ کر بولا۔ "آپ اپنے الفاظ واپس لیجئے۔ آپ مجھے اتنا بُرا کیوں سمجھتے

ہیں۔"

"چلو واپس لے لئے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

حمید کو بہت زور سے بھوک لگ رہی تھی۔ مگر چونکہ معاملہ ایک خوبصورت لڑکی کا تھا۔ لہٰذا اس نے یہ بھی نہ سوچا کہ اب رات کا کھانا نصیب بھی ہو گا یا نہیں۔ کوئی دوسرا معاملہ ہوتا تو وہ ایسی صورت میں فریدی ہی کو کھا جاتا۔ لیکن اس وقت اس نے کھانے کا نام تک نہ لیا۔ رابعہ کی آواز سے سچ مچ گھبراہٹ مترشح تھی۔ حمید بھی سوچ رہا تھا کہ آخر وہ کس قسم کا خطرہ ہو سکتا ہے اور پھر وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ رابعہ گھر پر تنہا نہیں تھی۔ تین نوکر بھی تھے لہٰذا وہ کوئی بڑا ہی خطرہ ہو سکتا ہے۔ کیا وہ خطرہ اسی ہار سے متعلق تھا۔ حمید کو فریدی کا ادھورا جملہ بھی یاد آ گیا جو ٹیلی فون کی گھنٹی کی وجہ سے پورا نہ ہو سکا تھا اس ہار سے کچھ بہت ہی خاص قسم کے واقعات وابستہ ہیں۔ کیا وہ بھی کسی جاسوسی ناول کے ہار ہی کی طرح کشت و خون کا باعث ہو سکتا ہے۔

کیڈی لاک کولتار کی چکنی سڑک پر پھسلتی رہی اور حمید سوچتا رہا۔ دسمبر کی خنک ترین رات تھی۔ کچھ دن قبل قریب کے ایک دیہی علاقے میں ژالہ باری ہو چکی تھی اس لئے سردی پہلے سے کئی گناہ زیادہ بڑھ گئی تھی۔ حمید کے ہاتھ اسٹیئرنگ پر ٹھٹھر رہے تھے۔ وہ جلدی میں دستانے لینے بھی بھول گیا تھا۔ اُس نے بائیں ہاتھ سے اپنے اوور کوٹ کے کالر کھڑے کر لئے۔

رابعہ کی کوٹھی کے پائیں باغ کا پھاٹک کھلا ہوا تھا۔

پائیں باغ میں سناٹا تھا۔ حمید نے کیڈی پورٹیکو میں کھڑی کر دی اور گھنٹی پر ہاتھ رکھ دیا۔ متواتر تین بار بٹن دبانے پر اندر قدموں کی آواز سنائی دی۔ دروازہ کھلا سامنے رابعہ کھڑی تھی۔ اس کے ہونٹ خشک تھے اور چہرہ زرد نظر آ رہا تھا۔ پرغرور انداز میں تنی رہنے والی بھنویں ڈھیلی پڑ گئی تھیں۔

وہ دروازہ کھول کر پیچھے ہٹ گئی اور سرجنٹ حمید نے السٹر اور فلٹ ہیٹ اُتار کر برآمدے میں لگی ہوئی کھونٹیوں پر لٹکا دیئے۔

"مجھے افسوس ہے کہ نوکر لاپتہ ہیں۔" رابعہ آہستہ سے بولی۔

"لاپتہ ہیں۔" حمید نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

"جی ہاں.... اندر آیئے۔" وہ تھوک نگل کر بولی۔

رابعہ نے حمید کے اندر ہوتے ہی دروازہ بند کر دیا۔ پھر وہ ایک بڑے کمرے میں آئے جہاں آتش دان میں کوئلے سلگ رہے تھے۔

"وہ آیا تھا۔" رابعہ آہستہ سے بولی۔

"کون؟" حمید نے چونک کر پوچھا۔

"وہی لٹیرا۔"

"کیا....؟"

"جی ہاں! وہی لٹیرا۔ میں نوکروں کیلئے فکر مند ہوں۔ وہ کمبخت نہ جانے کہاں جائیں گے۔"

"لیکن وہ آیا کیسے۔ کیا بات تھی۔"

"اسی ہار کے چکر میں آیا تھا۔ اس نے مجھے ریوالور دکھا کر تجوری کھلوائی۔ اس میں رکھی ہوئی چیزیں الٹتا پلٹتا رہا۔ اس میں اور بھی زیورات تھے۔ لیکن اس نے کسی میں بھی ہاتھ نہیں لگایا۔ پھر کئی صندوق بھی کھلوائے۔ بہر حال وہ اچھی طرح تلاشی لے کر گیا ہے۔"

"نوکر کہاں تھے۔"

"جہاں انہیں اس وقت ہونا چاہئے تھا۔ ایک تو باورچی تھا اور دو نوکر رات کے کھانے کے لئے شائد اس وقت میز ٹھیک کر رہے ہوں۔ میں لائبریری میں تھی۔"

"آپ نے پولیس کو کیوں نہیں فون کیا۔" حمید نے شبہ آمیز لہجے میں پوچھا۔

"میں آپ سے پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ میں اس ہار کے معاملے کو پبلک اسکینڈل نہیں بنانا چاہتی۔"

"آپ نے نوکروں کو تلاش نہیں کیا۔" حمید نے پوچھا۔

"ہمت ہی نہیں پڑی۔ تب سے آپ کے آنے تک اسی کمرے میں رہی ہوں جہاں وہ مجھے چھوڑ گیا تھا۔"

"تھا کیسا....؟"

"ویسا ہی جیسا اس کے متعلق مشہور ہے! سیاہ جیکٹ! سیاہ پتلون۔ سفید دستانے اور چہرہ۔ میں ویسی سیاہی آج تک کسی کے چہرے پر نہیں دیکھی۔ وہ سیاہی اس کے کپڑوں کی سیاہی سے مختلف نہیں تھی۔ میں نے افریقہ کے نیگرو لوگوں کو بھی دیکھا ہے مگر وہ بھی اتنے سیاہ نہیں ہوتے۔ ان

کی رنگت بھی جاندار ہوتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کھال کے نیچے خون موجود ہے۔ مگر اس چہرے کی رنگت بے جان تھی۔

بندر کا بچّہ

"حمید نے نوکروں کو ڈھونڈنے کی مہم شروع کر دی۔ اُسے یقین تھا کہ وہ یہیں مکان کے کسی حصے ہی میں ہوں گے۔"

اُس کا خیال صحیح نکلا جیسے ہی اُس نے ایک چھوٹے سے کمرے کا دروازہ کھولا اسے تینوں نوکر فرش پر پڑے ہوئے نظر آئے۔ لیکن وہ ایک میٹھی میٹھی سی بو کے احساس کو کسی طرح نہ دبا سکا۔ کمرے میں قدم رکھتے رکھتے وہ یک بیک اس طرح پیچھے ہٹ گیا جیسے اُسے کچھ یاد آ گیا ہو۔

"کیا بات ہے!" رابعہ چونک کر بولی۔

"فی الحال یہاں سے دور ہی رہئے۔" حمید نے کہا اور وہ دونوں دور جا کر کھڑے ہو گئے۔ رابعہ حیرت سے کبھی فرش پر پڑے ہوئے نوکروں کو دیکھتی تھی اور کبھی حمید کو.... وہ بھی اس طرح جیسے حمید کوئی عجوبہ ہو۔

"کیا بات ہے۔" اس نے پوچھا۔

"کچھ محسوس کیا آپ نے۔"

"کیا؟ کس چیز کی طرف اشارہ ہے؟ میں نہیں سمجھی۔"

"میٹھی میٹھی سی بو۔"

"ہاں.... آں.... شاید ہے تو کچھ.... لیکن....!"

"ایک خواب آور گیس! جس کی زیادہ مقدار موت بھی لا سکتی ہے۔ سنتھیلک گیس ہے۔"

"اوہو! تو یہ نوکر....!" رابعہ چیخ پڑی۔

"خدا ہی جانے!" حمید مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔ "جب تک موجود ہے کمرے میں جانا ٹھیک نہیں۔"

وہ تقریباً پندرہ منٹ تک وہاں کھڑے رہے۔ دونوں خاموش تھے اور ان کی نظریں نوکروں

پر جمی ہوئی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد ایک نوکر نے کروٹ لی اور رابعہ اُسے آوازیں دینے لگی۔ دفعتاً وہ بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔ پہلے چند ھیائی ہوئی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھتا رہا پھر اٹھ کر دروازے کی طرف بھاگا۔

"نصیر....!" رابعہ نے اُسے پھر آواز دی۔

وہ تیر کی طرح ان کی طرف آیا اور اُن کے قریب کھڑا ہو کر ہانپنے لگا۔

"کیا بات تھی!" حمید نے اُسے گھور کر پوچھا۔

"وہ....وہ....سرکار....بندر کا بچہ....!"

"کیا بکتے ہو۔" رابعہ بولی۔

"حضور! کچھ نہیں معلوم۔ بندر کے بچے کے پیچھے یہاں تک آئے۔ پھر کچھ نہیں معلوم۔"

"بندر کا بچہ! کیا بک رہے ہو۔ صاف صاف بتاؤ۔" حمید نے تیز لہجے میں پوچھا۔

"جی ہاں ڈرائنگ روم میں.... میز ٹھیک کر رہا تھا۔ کھڑکی میں ایک بندر کا بچہ نہ جانے کہاں سے آ گیا۔ صاحب کیا بتاؤں بس آدمی کا بچہ لگ رہا تھا۔ ہم نے اُسے روٹی دکھا کر اندر بلا لیا۔ پھر پکڑنے کی کوشش کرنے لگے اسے گھیر کر اس کمرے میں لے گئے۔ پھر نہ جانے کیا ہوا۔"

حمید نے زیادہ تفصیل جاننا مناسب نہیں سمجھا۔ ظاہر ہے کہ جو شخص بھرے مجمعے میں فاختائیں اڑا کر زیورات کا ڈبہ لے سکتا ہو اس کے لئے تین آدمیوں کو بیوقوف بنا دینا بڑی بات نہیں ہو سکتی۔ تھوڑی دیر کی جدوجہد کے بعد وہ دونوں بھی ہوش میں آ گئے۔ لیکن ان کی حالت ٹھیک نہیں تھی۔ چکر پر چکر آ رہے تھے۔ شائد ان دونوں پر گیس کافی اثر انداز ہوئی تھی۔

"کس مصیبت میں پڑ گئی۔" رابعہ بڑبڑا رہی تھی۔ "مجھے معلوم ہوتا تو وہ ہار پہن کر ہی نہ جاتی۔"

"اتفاقات ہی مصیبت لاتے ہیں۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "کیا آپ مجھے وہ ساری چیزیں دکھا سکیں گی جن کی وہ تلاشی لے کر گیا ہے۔"

"چلئے۔"

"سب سے پہلے اُس نے تجوری دیکھی۔ انگلیوں کے نشانات کے لئے تو سر مارنا ہی فضول تھا۔ کیونکہ رابعہ کے بیان کے مطابق اُس نے دستانے پہن رکھے تھے۔ حمید کا خیال تھا ممکن ہے وہ کوئی اور چیز چھوڑ گیا ہو۔ کوئی ایسی چیز جس سے اُس کی شخصیت پر روشنی پڑ سکے!

وہ زمین پر ایک گھٹنا ٹیکے تجوری کا نچلا خانہ دیکھ رہا تھا کہ اُس کی نظر رابعہ کے پیروں پر پڑگئی۔ وہ اس کے قریب ہی کھڑی ہوئی تھی اور اس نے دو پٹیوں والے سیاہ مخملی چپل پہن رکھے تھے۔ مرمر سے تراشے ہوئے سبک پیر جن کا فاصلہ حمید کے چہرے سے ایک فٹ سے زیادہ نہ رہا ہوگا.... پیروں کے انگوٹھوں کا درمیانی ابھار.... حمید کا سر چکرانے لگا۔ اس کا ایک بہت پرانا کومپلیکس ذہن کے تاریک گوشے میں کلبلانے لگا تھا۔

"میرے خیال سے یہ فضول رہے گا۔" وہ اٹھتا ہوا بڑبڑایا۔ "سوچنے کے لئے بیس منٹ! کیا یہاں تنہائی مل سکے گی۔"

رابعہ اُسے ایک کمرے میں لے آئی۔

"آپ کو بہت تکلیف ہوئی... کیا بتاؤں۔" اس نے کہا۔ چند لمحے کھڑی رہی اور پھر چلی گئی۔

حمید ایک صوفے میں ڈھیر ہو گیا۔

کوئی یقین کرے یا نہ کرے۔ ایک مخصوص بناوٹ کے زنانے پیر اس کی بہت بڑی اور پرانی کمزوری تھے۔ اُس وقت اس کی سانسیں اس طرح چڑھی ہوئی تھیں وہ کسی پہاڑ کی چوٹی سر کرنے کے بعد تھک کر گر پڑا ہو۔ بہتوں کو یقین نہ آئے گا۔ لیکن یہ حقیقت تھی کہ وہ طالب علمی کے زمانے میں محض ایک لڑکی کے پیروں کی خاطر ڈیڑھ سو میل کا سفر کیا کرتا تھا۔ یہ اُس کے ایک قریبی عزیز کی لڑکی تھی اور بے حد حسین پیر رکھتی تھی۔ حمید کو ہر دوسرے تیسرے ماہ محض اُس کے پیروں کے دیدار کے لئے ایک لمبے سفر کی صعوبتیں برداشت کرنی پڑتی تھیں۔ خواہ حمید کے چاہنے والوں کو قے ہی کیوں نہ ہو جائے لیکن یہ بات بھی بتانی ہی پڑے گی کہ اس نے ایک بار اُس لڑکی کے پیر کا انگوٹھا چوسا بھی تھا اور عرصہ تک اس کے پیر کی بو کسی نفیس قسم کی شراب کے نشے کی طرح اس کے ذہن پر مسلط رہی تھی۔ وہ بس اُس کے پیر دیکھا کرتا تھا۔ انگوٹھوں کی بناوٹ تو اسے پاگل ہی کر دیتی تھی۔ اس کی سب سے بڑی خواہش تھی کہ وہ اُس کے پیر کا انگوٹھا چوس ڈالے۔ اور یہ خواہش ایک دن اچھے خاصے پاگل پن میں تبدیل ہو گئی۔ وہ بچپن ہی سے ذہین اور فتنہ پرداز تھا۔ آخر اُسے ایک تدبیر سوجھ ہی گئی۔ گرمیوں کے دن تھے۔ گھر کے لوگ دوپہر کا کھانا کھا کر مگرمچھوں کی طرح اونگھنے لگے تھے۔ انہیں میں وہ لڑکی بھی تھی حمید نے اُس کے پیر کے انگوٹھے میں ایک پن اس صفائی سے چبھائی کہ وہ چیخ مار کر جاگ تو پڑی لیکن یہ نہ سمجھ سکی کہ بات۔ فقہ

کیا تھی۔ حمید "سانپ سانپ" کا غل مچاتا ہوا ایک طرف دوڑتا چلا گیا۔ پھر بدحواسی کی نہایت عمدہ ایکٹنگ کرتا ہوا واپس آیا۔ گھر میں کہرام پڑ گیا۔ دیہات کے سیدھے سادھے لوگ تھے۔ گھرانا زمینداروں کا تھا۔ اگر معاملہ کسی کسان یا نچلے طبقے کے آدمی کا ہوتا تو لڑکی کے انگوٹھے پر خون کی ننھی سی بوند دیکھ کر فوراً بتا دیتا کہ وہ کم از کم سانپ کے دانت کا نشان تو ہرگز نہیں ہو سکتا۔

بہرحال گھر میں ہنگامہ برپا ہو گیا۔ حمید نے لڑکی کا پیر پکڑ کر پنڈلی کو ایک پتلی سی ڈور سے جکڑ لیا اور پھر اُس کا انگوٹھا چوسنے لگا۔ کئی لوگوں نے اس پر حیرت ظاہر کی لیکن حمید نے کہا کہ وہ زہر چوس رہا ہے اور اس نے انہیں تھوک کر بھی دکھایا۔ تھوک ہلکے نیلے رنگ کا تھا۔ لوگ چکرا گئے۔ کسی نے چیخ کر کہا کہ تم اپنی جان کیوں دے رہے ہو۔ اس پر اس نے انہیں بتایا کہ وہ کالج میں پڑھتا ہے اور کالج میں سب کچھ سکھایا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ مردہ مینڈک میں جان بھی ڈال دی جاتی ہے بہرحال وہ چوس چوس کر نیلے رنگ کا جھاگ تھوکتا رہا اور لڑکی بلبلا بلبلا کر روتی رہی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بیہوش ہو جائے گی۔ جب حمید کا دل بھر گیا تو اس نے پُر اطمینان انداز میں سر ہلا کر انگوٹھا چھوڑ دیا اور پھر باہر جا کر اُس نے اپنے منہ سے نیلی روشنائی کی ٹکیہ نکالی جو آدھی سے زیادہ گھل گئی تھی۔

اور پھر جب ایک گھنٹہ گذر جانے کے بعد بھی لڑکی نہ مری تو حمید کی شہرت جنگل کی آگ کی طرح سارے گاؤں میں پھیل گئی۔ گھر والے تو گویا اُسے سر پر بٹھائے پھر رہے تھے۔

حمید نے احتیاطاً اتنی زمین ہی کھود ڈالی جتنے حصے میں اس نے نیلی روشنائی تھوکی تھی۔ رات کے کھانے پر اُسے اپنا منہ پیٹنا پڑا۔ بھلا زہر کی تیزی کی وجہ سے اس کی زبان کیوں نہ کٹتی اور کٹی ہوئی زبان پر نمک اور مرچ کا مزہ وہی جانے جس پر بیتی ہو۔ لڑکی اب بھی زندہ ہے اور اب اُسے کوئی لڑکی نہیں کہتا۔ البتہ کئی چھوٹے چھوٹے بچے اُسے "اماں" ضرور کہتے ہیں۔ وہ اب بھی حمید کی احسان مند ہے لیکن اُس کے پیر بھدے ہو چکے ہیں۔

پندرہ منٹ گذر گئے۔ حمید چپ چاپ صوفے پر پڑا رہا۔ وہ رابعہ کے پیر بھول جانا چاہتا تھا۔ سالہا سال کی دبی ہوئی خواہش ایک بار پھر جاگ اٹھی تھی۔ انگوٹھا.... اس کا ضدی ذہن "انگوٹھا.... انگوٹھا" کی تکرار کئے جا رہا تھا۔ اُس نے جھنجھلا کر اپنے گال پر تھپڑ مار لیا۔ ٹھیک اُسی وقت رابعہ کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ ٹھٹک گئی۔ شائد اس نے حمید کو اپنے گال پر تھپڑ مارتے دیکھ لیا تھا۔

"بڑے مچھر ہیں یہاں....!" حمید کھسیانی ہنسی کے ساتھ بولا۔

"نہیں.... تو.... ممکن ہے ایک آدھ بھولا بھٹکا کہیں رہ گیا ہو۔ ورنہ یہاں تو روز ہی فلٹ چھڑکا جاتا ہے۔"

"ممکن ہے! میرا خیال ہو!" حمید اٹھتا ہوا بولا۔ "اچھا تو پھر اب اجازت ہے۔"

"جائیے۔" رابعہ بے چینی سے بولی۔

"ویسے میں جانے سے پہلے آپ کا تھوڑا سا وقت ضرور لوں گا۔" حمید نے کہا اور ذہن نے آواز دی۔ "انگوٹھا" لیکن حمید نے اس کے پیروں کی طرف دیکھنے کی جرأت نہ کی۔

"اگر آج رات یہیں ٹھہریں تو کیا حرج ہے۔" رابعہ نے دبی زبان سے کہا۔

"نوکروں کا حال تو آپ دیکھ ہی چکے۔"

"اوہ....!" حمید ہنس پڑا۔ "مجھے یقین ہے کہ وہ اب نہیں آئے گا۔"

"میں فریدی صاحب سے اجازت لئے لیتی ہوں۔" رابعہ نے کہا۔

"اوہو.... دیکھئے نا.... بات دراصل یہ ہے کہ.... میں.... اب کیا بتاؤں۔"

"میرا خیال ہے کہ میری بات فریدی صاحب نہیں ٹالیں گے۔ ڈیڈی کے گہرے دوستوں میں سے ہیں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن شائد آپ کو مجھے گھر ہی سے نکال دینا پڑے۔" حمید نے بڑی معصومیت سے کہا۔

"کیوں....؟"

"مجھے اکثر سوتے سوتے فرنجک ہو جاتی ہے۔ ابھی پرسوں کی رات کی بات ہے کہ مجھے فرنجک ہو گئی اور جب مجھے ہوش آیا تو میں نے محسوس کیا کہ فریدی صاحب کے پیر کا انگوٹھا چوس رہا ہوں اور وہ میرے سر پر طبلہ بجا رہے ہیں۔"

رابعہ ہنس پڑی۔

"حمید صاحب میں نے سنا ہے کہ آپ بڑے لطیفہ گو ہیں چلئے آج رات بھر لطیفے ہی سہی۔"

"اوہ.... لطیفے.... خیر.... مگر میں.... اچھا میں ابھی واپس آ جاؤں گا۔"

"کوئی خاص کام....!"

"میں نے ابھی کھانا نہیں کھایا۔"

"اور اس کے لئے آپ اتنی دور جائیں گے۔ میں نے بھی کھانا نہیں کھایا۔"

"بات دراصل یہ ہے...." حمید کی نظریں پھر اُس کے پیروں پر پڑ گئیں اور ذہن میں جھٹکا سا پیدا ہوا۔

"کیا بات ہے۔" رابعہ نے پوچھا۔

"اوہ! کوئی خاص بات نہیں۔"

حمید اُس کے ساتھ کھانے کی میز پر آیا اور پھر اُس ہار کے متعلق گفتگو چھڑ گئی۔

"آپ زہرہ جمال صاحبہ کو جانتی ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"زہرہ جمال۔ شاید آپ صغیر بابر کی بیوی کے متعلق پوچھ رہے ہیں۔"

"جی ہاں.... وہی....!"

"میں اُسے خود سے کبھی جاننے کی کوشش نہ کرتی۔ لیکن وہ خود ہی....!" رابعہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"اونچے طبقے کی عورتوں میں گھستی ہے۔" حمید نے جملہ پورا کر دیا۔

"آں.... ہاں.... اونچے طبقے کی بات تو نہیں۔ صغیر بابر خود بھی کافی دولت مند ہے۔ میں تعلیم یافتہ اور الٹرا موڈرن لوگوں کی بات کر رہی تھی۔"

"آپ بھی ویمنز سنٹر کی ممبر ہیں۔"

"جی ہاں.... یہ کباب لیجئے۔"

"شکریہ۔" کیا زہرہ جمال وہاں کی ممبروں میں کافی مقبول ہے۔"

"ہے تو لیکن....!" رابعہ ہونٹ سکوڑ کر رہ گئی۔

حمید معنی خیز انداز میں اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

"لیکن آپ نے اس کا تذکرہ کیوں چھیڑا ہے۔" وہ تھوڑی دیر بعد پوچھ بیٹھی۔

"بس یونہی.... آج اس سے بھی ملا تھا۔ اس کا بھی تو نکلس پلازا تھیٹر ہی میں اُتارا گیا تھا۔"

"فریدی صاحب میرے ہار کے متعلق کیا کہتے ہیں۔"

"اُن کا بھی یہی خیال ہے کہ وہ گھر ہی میں بدلا گیا ہے۔"

"میں نہیں سمجھ سکتی کہ گھر میں ایسی حرکت کون کرے گا۔" رابعہ بولی۔"کیا ان نوکروں میں سے کوئی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں ڈیڈی کو کیا جواب دوں گی۔"

کھانا ختم کر چکنے کے بعد وہ پھر ڈرائنگ روم میں آ بیٹھے۔ حمید نے زہرہ جمال کا تذکرہ پھر چھیڑ دیا۔

"اس کی مقبولیت کی وجہ پوچھئے تو میں بتاؤں۔" رابعہ نے کہا۔"وہ خطرناک حد تک چاپلوس واقع ہوئی ہے۔ان حلقوں میں بھی درانہ گھستی ہے جہاں کوئی اُسے منہ لگانا بھی پسند نہیں کرتا۔"

"خیر اُس کی مکاری اور چاپلوسی کی عادت کا اندازہ میں نے پہلے ہی لگا لیا تھا۔" حمید بولا۔

"کس طرح! کیا بات تھی۔"

"مجھے علم القیافہ میں بھی تھوڑا سا دخل ہے، جس عورت کے پیر کے انگوٹھے میں جڑ کے قریب اوپر کی طرف ایک گہری لکیر ہو۔ وہ عموماً مکار اور چاپلوس ہوتی ہے۔"

"اوہو! تو آپ لکیروں کے بھی ماہر ہیں۔ ذرا میرے انگوٹھے بھی تو دیکھئے گا۔" رابعہ ایک شوخ سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔اور حمید کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

رابعہ اٹھ کر حمید کے قریب آ گئی اور اس نے اپنا دایاں پیر چپل سے نکال کو صوفے کے بازو پر رکھ دیا۔ حمید کی قمیض سردی کے باوجود بھی پسینے سے بھیگنے لگی۔ اس نے جھک کر انگوٹھے کی طرف دیکھا اور کانپتے ہوئے ہاتھ سے اس کی جڑ ٹٹولنے لگا۔

"جی نہیں.... نہیں ہے۔" وہ تھوک نگل کر بولا۔

"خیر شکر ہے۔" رابعہ پھر مسکرائی اور اپنی کرسی کی طرف لوٹ گئی۔

حمید کا حلق خشک ہو رہا تھا اور ذہن چیخ رہا تھا۔"ابے چوس۔ ابے چوس۔" سانسیں تھیں یا آندھیاں۔ چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ رابعہ حیرت سے اُس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ حمید کی نظریں اُس کے چہرے کی طرف اٹھیں اور وہ بوکھلا کر بولا۔

"مم.... میرا خیال ہے.... کہ وہ گیس میرے سسٹم پر بھی اثر انداز ہوئی ہے۔ پتہ نہیں کیوں سر چکرا رہا ہے۔ آپ موزے کیوں نہیں پہنتیں.... کتنی شدید سردی ہے۔"

"تو پھر آپ آرام کیجئے۔ میں فریدی صاحب کو فون کئے دیتی ہوں۔"

"شش.... شکریہ....!"

"ڈاکٹر کو فون کروں۔"

"اوہ نہیں.... اس کی ضرورت نہیں.... اور پھر آپ اس ہار والے معاملہ کو چھپانا بھی تو چاہتی ہیں۔"

"مجھے افسوس ہے کہ میری وجہ سے۔"

"اوہو.... مجھے بار بار شرمندہ نہ کیجئے۔ میں تو اس وقت بھی آپ کے ہار ہی کے متعلق سوچ رہا ہوں۔ ویسے عرض ہے کہ آپ اپنا کمرہ مقفل کر کے سوئیے گا۔"

"کیوں.... کیا بات ہے۔" رابعہ خوفزدہ آواز میں بولی۔

"وہ میری فرنجک....!" حمید بولا اور رابعہ ہنس پڑی۔

"مجھے ڈر ہے کہ آپ کو اپنا ہی انگوٹھا چوسنا پڑے گا۔" اس نے کہا اور حمید بھی ہنسنے لگا۔

بد اخلاق کتے

حمید کو کافی رات گئے تک نیند نہیں آئی۔ وہ اپنے اس کومپلکس سے عاجز آ گیا تھا۔ کئی بار سائیکو انیلیس بھی کرانے کی کوشش کی تھی لیکن بیچارے عامل کو کومپلکس کی بنیادی وجہ ہی نہ مل سکی۔ بہر حال سوتے وقت بھی اس کے ذہن پر رابعہ کے پیز مسلط رہے۔ لیکن صبح جب آنکھ کھلی تو سب سے پہلے کلوٹی زہرہ جمال یاد آئی اور ذہن میں رابعہ کا یہ جملہ گونج رہا تھا کہ وہ حد درجہ چاپلوس واقعہ ہوئی ہے اور فیشن ایبل عورتوں میں زبردستی گھستی ہے۔

رابعہ بھی شائد رات کو دیر تک جاگتی رہی تھی اور ابھی تک سو رہی تھی کہ حمید بھاگ نکلا۔ ایک نوکر سے کہتا گیا کہ ایک ضروری کام یاد آ گیا ہے ورنہ جاگنے کا انتظار کرتا۔

گھر پہنچا تو پائیں باغ کے پھاٹک ہی پر فریدی سے مڈ بھیڑ ہو گئی۔

"صبح بخیر....!" فریدی نے معنی خیز انداز میں مسکرا کر کہا۔

"نہ صرف بخیر بلکہ ہاتھ پیر بھی بخیر۔ خدا آپ پر صحرائے نجد کے اونٹ نازل کرے۔"

"خیریت! بڑے اداس نظر آ رہے ہو۔"

"خودکشی کا ارادہ ہے۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔

"طریقہ کون سا اختیار کرو گے۔"

"کسی سے کہوں گا کہ گردن پر دونوں پیر رکھ کر کھڑی ہو جائے۔"

"کیا بات ہے پسر.... آخر صبح ہی صبح خودکشی کی کیسے سوجھی۔"

"میں اپنے اُس کومپلکس سے عاجز آ گیا ہوں۔"

"کون سا کومپلکس۔ تمہارے ساتھ ایک ہی دو تو نہیں ہیں۔"

"وہی پیر والا۔" "اب میں اس وقت تک رابعہ کے یہاں نہیں جاؤں گا جب کہ آپ اسے فون پر پہلے ہی سے موزے پہن رکھنے کی ہدایت نہ دے دیں گے۔

"اوہ تو یہ بات ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "رابعہ کے پیر اسی قسم کے ہیں تب تو بڑی اچھی بات ہے۔"

"کیا اچھی بات ہے۔"

"یہی کہ اب میں تمہارا یہ مرض دور کرا دوں گا۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیسے دور کرا دیں گے۔ میں نہایت سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں کہ اس کے لئے کچھ کیجئے۔"

"بھئی یہ لاشعوری گتھیاں ہیں اور ان کا علاج بھی ہے۔ بشرطیکہ اس گتھی یا مرض کا اصل سبب دریافت ہو جائے.... مگر خیر میں سبب دریافت کئے بغیر ہی تمہارا معقول علاج کرا دوں گا۔"

"کیسے.... کس طرح.... میں سنجیدہ ہوں فریدی صاحب۔"

"میں بھی غیر سنجیدہ نہیں۔ طریقہ علاج کے لئے ایک واقعہ سن لو! پھر میں تمہارے علاج کے طریقے پر روشنی ڈالوں گا۔ چلو اندر چلیں۔ میں آج بہت خوش ہوں۔"

"اس بہت خوشی کی وجہ۔"

"آج تم ہر بات کی وجہ ہی پوچھنے پر ادھار کھائے بیٹھے ہو.... چلو....!"

وہ دونوں برآمدے میں آ کر بیٹھ گئے۔

"ہاں تو حمید صاحب!" فریدی بولا۔ "وہ واقعہ سنئے۔ ایک صاحب کے ساتھ عجیب ٹریجڈی تھی۔ جب بھی بیچارے خود کو اندھیرے میں محسوس کرتے چیخ مارتے اور بیہوش ہو جاتے آخر انہیں بھی تمہاری ہی طرح تحلیل نفسی کی سوجھی۔ جس ماہر نفسیات کے پاس گئے وہ سچ مچ ماہر ہی تھا۔ اس نے کومپلکس کی وجہ دریافت کر لی۔ بات یہ تھی کہ وہ صاحب بچپن میں ایک اندھیری

جگہ پر ایک سیاہ رنگ کے کتے سے ٹکرا گئے تھے۔ کتا کٹکھنا تھا اس نے انہیں بھنبھوڑ ڈالا اور یہ بیہوش ہو گئے۔ اس وقت اتنے چھوٹے تھے کہ جوانی تک اس واقعے کو بھول ہی گئے۔ لیکن ذہن میں اس خاص قسم کی خوفناک سچویشن کی گرہ پڑی رہ گئی۔ لٰہذا وہ کتے والی بات تو بھول گئے تھے لیکن اندھیرا اب بھی اُن پر بیہوشی طاری کر دینے کے لئے کافی ہوا کرتا تھا۔ ماہر نفسیات نے ایک رات ان کے ہاتھ میں ریوالور دیا اور انہیں ایک ایسی جگہ لے گیا جہاں اندھیرا تھا اور اس نے وہیں ایک سیاہ رنگ کا کتا پہلے ہی سے چھوڑ رکھا تھا۔ قصہ کوتاہ اس نے ان سے اس کتے کو اندھیرے ہی میں قتل کرا دیا۔ اور پھر اس دن سے اندھیرے کا خوف ان پر نہیں طاری ہوا۔"

"اتنا میں سمجھ گیا۔" حمید نے کہا۔ "لیکن میرا کیس اس سے مختلف ہے۔"

"تمہارا کیس خوف کا نہیں پسند کا ہے۔ اس کے لئے صرف نفرت ہی سود مند ہو سکتی ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"یوں سمجھو.... تمہارا مرض بھی ہسٹریا ہی کی طرح ایک ذہنی مرض ہے اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ ہسٹریا کے دورے اُس وقت پڑتے ہیں جب مریض ذہنی کشمکش کو شعوری طور پر کسی خاص نتیجہ خیز حل کی طرف نہیں لے سکتا۔ دورے روکنے کی دو ہی صورتیں ہیں۔ یا تو مریض کو کشمکش کا حل مل جائے یا پھر کش مکش کی طرف متوجہ ہی نہ ہونے دے۔ مثلاً نفرت کا جذبہ، اس کے لئے یہ تدبیر زیادہ مناسب رہتی ہے کہ مریض کے سامنے ایک دودھ دینے والی گدھی رکھی جائے اور اس سے کہا جائے کہ دراصل اس گدھی کا دودھ ہی اُس کا علاج ہے۔ دورے کا آثار شروع ہوتے ہی اُسے گدھی کا دودھ پلایا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ مریض متنفر ہی نہیں بلکہ سخت بیزار بھی ہو جائے گا۔"

"آج آپ واقعی موڈ میں معلوم ہوتے ہیں۔" حمید ہنس کر بولا۔ "لیکن میرا علاج۔"

"تمہارا علاج گدھی کی لات ہے۔ ایک ایسی شاندار لات جسے کھا کر تم سنبھل نہ سکو اور تمہارا دوپیسے والا معمہ حل ہو جائے۔ بڑی خوشی اس بات کی ہے کہ مجھے اس خاص قسم کے پیر کا نمونہ مل گیا جو تمہیں بدحواس کر دیتا ہے۔"

"یعنی....!"

"رابعہ کا پیر۔ اب میں تمہارا علاج کرلوں گا۔ تمہیں کسی بلند مقام پر کھڑا کر کے رابعہ سے

استدعا کروں گا کہ ایک ایسی لات جھاڑے کہ تم اوندھے منہ نیچے چلے جاؤ۔ تمہارا سر پھٹ جائے اور منہ بھرتا ہو جائے۔ ہاتھ پیر ٹوٹ جائیں اور جب تم چھ ماہ بعد ہسپتال سے برآمد ہو تو اس قسم کے پیروں کے خیال ہی سے تمہاری روح فنا ہونے لگے۔"

"ہیئر ہیئر۔" حمید تالی بجانے کی بجائے اپنا سر پیٹ کر چیخا۔ "واقعی آپ اس وقت بہت خوش معلوم ہوتے ہیں۔ کیا آپ کا بھی کوئی کومپلکس رفع ہو گیا۔"

"ہو سکتا ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "ویسے یہ خبر تمہارے لئے کافی دلچسپ ثابت ہو گی کہ اس لٹیرے نے پچھلی رات مجھ پر بھی ہاتھ صاف کر دیا۔"

"کیا....؟" حمید اچھل پڑا۔ "کس طرح؟"

"پہلے یہ بتاؤ کہ رابعہ نے تمہیں کیوں بلایا تھا۔ اُس نے مجھ سے فون پر اتنا ہی کہا تھا کہ وہ تمہیں رات بھر کے لئے روک رہی ہے اور مفصل حالات تم ہی سے معلوم ہوں گے۔"

حمید نے پچھلی رات کی داستان دہرا دی۔

"فریدی کچھ سوچتا رہا پھر سر ہلا کر بولا۔" تو شاید اس نے وہاں کے بعد ادھر ہی کا رخ کیا تھا۔

"بات کیا ہے۔" حمید نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

"وہ رابعہ والا نقلی ہار لے گیا۔" فریدی نے جیب سے ایک لفافہ نکالتے ہوئے کہا۔ "اسے پڑھو۔"

حمید نے لفافہ لے کر خط نکالا۔

"فریدی صاحب۔

میں ایک بے ضرر آدمی ہوں۔ ایڈونچر کا شائق ہونے کی بناء پر میں نے یہ راستہ اختیار کیا ہے۔ خطرات میں پڑنے اور نکل جانے میں مجھے جو لذت ملتی ہے وہ آج تک کسی دوسری چیز میں نہیں ملی۔ ڈاکے تفریحاً ڈالتا ہوں اور لوٹی ہوئی چیزیں پھر اُن کے مالکوں کو واپس کر دیتا ہوں۔ اب تک میں نے یہاں جتنی بھی وارداتیں کی ہیں ان کا مال غنیمت آہستہ آہستہ واپس کر رہا ہوں۔ اب اگر وہ لوگ پولیس کو اس کی اطلاع نہ دیں تو یہ ان کی نیت کا قصور ہے نہ کہ میرا۔ اگر آپ اپنے طریقوں کو کام میں لا کر تفتیش شروع کریں تو میرے قول کی سچائی آپ پر روشن ہو جائے گی۔ رابعہ نکہت کا ہار واپس لے جا رہا ہوں۔ یہ ایک بڑا اچھا مشغلہ ہاتھ آیا ہے۔ میں اصلی ہار تلاش

کروں گا اور پھر اُسے رابعہ نکہت تک پہنچانا میرا فرض ہوگا۔ نقلی ہار اس لئے لے جارہا ہوں کہ مجھے اس کی اصل تلاش کرنی ہے۔ یہ میری تفریح ہے۔ فریدی صاحب ان وارداتوں کا مقصد حقیقتاً کسی کو لوٹنا نہیں ہے۔ آپ بہت بڑے آدمی ہیں لہٰذا اس چھوٹے اور سیدھے سادھے معاملے میں دخل دینا آپ کے شایان شان نہیں۔ پولیس کو الجھنے دیجئے اور پھر میں تو حکومت کی ایک خدمت بھی انجام دے رہا ہوں۔ یعنی میں نہیں چاہتا کہ قانون کے محافظ کاہل ہو جائیں میں نے انہیں کافی چاق و چوبند کر دیا ہے۔ اتنا تو آپ بھی تسلیم کریں گے۔ مجھے افسوس ہے کہ اس وقت مجھے آپ کے کتوں کا اخلاق خراب کرنا پڑا۔ اس کیلئے معافی کا خواستگار ہوں۔ معاف کر دینا آپ نے۔

آپ کا خادم سیاہ پوش"

حمید خط ختم کر کے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

اس وقت نہ جانے کیوں اسے فریدی کی مسکراہٹ بڑی دلکش معلوم ہو رہی تھی۔

"آپ گھر پر موجود تھے۔" حمید نے پوچھا۔

"موجود تھا اور جاگ رہا تھا۔ مگر یار اس مسخرے کی حرکتوں پر غصے کی بجائے ہنسی آتی ہے۔"

"خط کا آخری مرحلہ۔" حمید نے کہا۔ "کتوں کے ساتھ کون سی بداخلاقی کی تھی۔"

فریدی ہنس پڑا۔ "اس نے رکھوالی کرنیوالے ایشیئن کتوں کو شراب پلادی تھی۔" فریدی بولا۔

"شراب پلادی تھی۔" حمید بھی ہنس پڑا۔ "لیکن کس طرح۔"

"کسی جانور کے خون میں ملا کر..... وہ کنستر جس میں خون تھا کمپاؤنڈ میں ملا۔ اُس کے قریب ڈرائی جن کی دو خالی بوتلیں بھی پڑی ہوئی تھیں۔"

"کمال ہے۔ حقیقتاً غصے کی بجائے پیار آرہا ہے۔ اُس پر۔" حمید نے کہا۔

"اب سنو کتوں کی حالت۔ پہلے تو کمبخت کمپاؤنڈ میں روتے اور اپنے ساتھ دوسرے کتوں کو بھی رلاتے رہے پھر اندر گھس آئے۔ میں لائبریری میں تھا۔ چاروں وہاں پہنچے اور میرے گرد بیٹھ کر اس طرح رونا شروع کر دیا جیسے سرجنٹ حمید اللہ کو پیارے ہو گئے ہوں۔"

حمید پھر ہنس پڑا۔

"میں بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر کم بختوں کو ہو کیا گیا۔ کئی بار انہیں بھگایا لیکن پھر موجود۔ اس طرح منہ اٹھا اٹھا کر روتے رہے

جیسے سچ مچ کسی کی تعزیت کر رہے ہوں۔ سارے نوکر بھی لائبریری ہی میں آگئے اور میں نے انہیں کسی طرح پکڑوا کر بند ھوا دیا۔ لیکن میاں حمید وہ اس وقت تک روتے رہے جب تک کہ اُن کا نشہ نہیں اتر گیا۔ تقریباً دو بجے سونے کے لئے اپنے کمرے میں پہنچا تو ہار غائب تھا۔ تم اسے وہیں چھوڑ گئے تھے نا۔ اور پھر یہ خط ملا۔ بڑی دیر بعد یہ بات سمجھ میں آئی کہ اس نے کتوں کا اخلاق کس طرح خراب کیا ہو گا۔ باہر آیا کمپاؤنڈ میں کنستر اور شراب کی بوتلیں دیکھ کر قیاس کو حقیقت تسلیم کر لینا پڑا۔ کہو.... ہے نا جینئس۔"

"واقعی بے ضرر آدمی ہے.... ورنہ وہ کتوں کو شراب کی بجائے زہر بھی دے سکتا تھا۔"

"مگر وہ ابھی لونڈا ہے۔" فریدی اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ وہ سمجھتا ہے کہ شائد میں بہرام ڈاکو اور آرسین لوپن کے قصے پڑھ پڑھ کر سراغ رساں بنا ہوں۔"

"کیوں....؟" حمید چونک پڑا۔

"وہ جو کچھ بھی خود کو ظاہر کر رہا ہے حقیقتاً ویسا نہیں ہے۔"

"بھلا آپ یہ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ اُس نے لوٹی ہوئی ساری چیزیں اُن کے مالکوں کو واپس ہی کرنی شروع کر دی ہوں۔"

"ہو سکتا ہے! لیکن وہ اس حرکت سے بھی مجھے مطمئن نہیں کر سکتا۔ یہ مانتا ہوں کہ اس نے ابھی تک اپنی کسی واردات کے سلسلے میں قتل نہیں کیا۔ لیکن میں اُسے محض ایڈونچر سمجھنے کے لئے تیار نہیں۔ وہ کسی بڑے جرم کے لئے زمین ہموار کر رہا ہے۔"

"آپ کسی معاملے کو سیدھی طرح سوچ ہی نہیں سکتے۔" حمید ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

فریدی صاحب آپ اپنے ہی کو کیوں نہیں دیکھتے۔ شائد ہمارے آئی۔جی صاحب کے پاس بھی اتنی ڈگریاں نہ ہوں گی۔ جتنی آپ کے پاس ہیں۔ دولت کی بھی آپ کے پاس کمی نہیں۔ اس کے باوجود بھی انسپکٹری یا کتا خصی فرما رہے ہیں۔ اپنی ترقی بھی خود ہی رکوا دیتے ہیں آخر کیوں؟

"افتادِ طبع....!" فریدی مسکرا کر بولا۔

"پھر آپ کو اس کی افتادِ طبع پر کیوں شبہ ہے۔"

"میں خطر پسند طبیعتوں کے وجود کا منکر نہیں۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ صرف زیورات پر کیوں اکتفا کرتا ہے۔ اس نے ابھی تک زیورات

کے علاوہ اور کسی چیز پر بھی ہاتھ صاف نہیں کیا اور وہ انہیں واپس بھی کر دیتا ہے۔ ایڈونچر تو میں اسے سمجھوں گا کہ وہ کسی سفارت خانے میں گھس پڑے۔ سرکاری مال خانوں پر بھی حملہ کرے۔ کوتوالی سے کوئی اہم چیز نکال لے جائے اور پھر اُس کے نرغے سے نکل جانے کے دوسرے مواقع بھی پیدا کئے جا سکتے ہیں۔"

حمید تھوڑی دیر کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ یہ بات سچ مچ قابل غور ہے۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ خلاء میں نظریں جمائے ہوئے سگار کے ہلکے ہلکے کش لے رہا تھا۔

حمید کچھ دیر خاموش رہا پھر اس نے کہا۔ "تو کیا اب آپ اس میں دلچسپی لے رہے ہیں۔"

"بہت معمولی سی۔" فریدی بولا۔ "رابعہ کا ہار ایک اچھا خاصا کلیو ہے۔ مجھے ایسے کیسوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی جس میں کوئی کلیو نہ ہو۔ جسمانی ورزش کے ساتھ ہی ساتھ میرے لئے ذہنی جمناسٹک بھی ضروری ہے۔"

"تو ہار والے معاملے میں آپ کو کوئی اُلجھاوا نظر آ رہا ہے۔"

"ہاں کچھ معلوم تو ہوتا ہے۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "ویسے زہرہ جمال پر کڑی نظر رکھو۔"

"کیوں! کیا آپ بھی اس کے متعلق کچھ سوچ رہے ہیں۔"

"ہاں کیوں نہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "وہ سیاہ فام ہونے کے باوجود بھی بڑی دلکش ہے۔"

"ارے باپ رے باپ....!" حمید اپنا منہ پیٹنے لگا۔ "بیچارے بوڑھے کا چالیسواں ہو گیا۔"

"بکو مت....! کیا ناشتہ کر کے آئے ہو۔"

"ناشتہ! ارے میں رات سے بھوکا ہوں۔"

"پھر بکواس۔ اگر رات سے بھوکے ہوتے تو مجھے کھا گئے ہوتے۔ چلو....اٹھو۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن آپ نے میرے مرض کے متعلق کچھ نہیں کہا۔"

"کہہ دیا! علاج کے لئے کم از کم چھ ماہ کی چھٹی لو۔ ابھی اچھا ہے۔ رابعہ تمہاری احسان مند ہے۔ بلا تکلف لات مار دے گی۔"

"میں بہت سنجیدہ ہوں فریدی صاحب۔"

"جہنم میں جاؤ۔"

حمید کی حیرت

اتفاق سے اُسی شام کو ویمنز کلچر سنٹر کی ممبروں کی ماہانہ میٹنگ تھی اور کچھ تفریحی پروگرام بھی تھے۔ حمید نے اپنا پروگرام پہلے ہی سے بنا رکھا تھا۔ اُس نے فریدی کی وہ کار نکالی جو عموماً گیرج ہی میں بند رہا کرتی تھی اور اسے بہت ہی خاص قسم کے مواقع پر استعمال کیا جاتا تھا۔ حمید نے اُس میں ٹیکسیوں والا میٹر فٹ کر دیا۔

میک اپ پہلے ہی کر لیا تھا۔ گھنی مونچھیں اور فرنچ کٹ ڈاڑھی میں وہ بڑا عجیب لگ رہا تھا۔ ڈاڑھی اور مونچھوں کا رنگ بھورا تھا۔ نہ جانے کب کا سڑا بسا سوٹ نکال کر پہن لیا۔ بہر حال وہ کوئی ایسا سرحدی پٹھان معلوم ہو رہا تھا جس نے اپنی زندگی کا زیادہ تر حصہ مہذب دنیا میں گذارا ہو۔

فریدی نے اُسے دیکھا اور بے اختیار مسکرا پڑا۔

''بہت اچھے۔ لیکن تم آج کل اتنے محنتی کیوں نظر آ رہے ہو۔'' اُس نے پوچھا۔

''رابعہ کا انگوٹھا۔'' حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔

''فریدی کا گھونسہ.....!'' فریدی مکا تان کر بولا۔

''حمید کا بھوسہ.....!'' حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا اور کار اسٹارٹ کر دی۔

اور پھر اب یہ بتانے کی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ وہ صغیر بابر کی کوٹھی کی طرف جا رہا تھا۔ پھاٹک کے قریب سے گذرتے وقت اُس نے رفتار بہت کم کر دی۔ یہ دیکھ کر اُسے اطمینان ہو گیا کہ صغیر بابر کی کار بھی پورٹیکو ہی میں کھڑی ہے۔

اس نے کچھ دور آگے جا کر کار روک دی۔ چند لمحے اندر بیٹھا ہلکے سروں میں سیٹی بجاتا رہا۔ پھر نیچے اُتر کر انجن کھولا اور اس پر اس طرح جھک گیا جیسے اُس میں کوئی خرابی ہو گئی ہو۔

اسٹپنی کھول کر اُس نے چند اوزار نکالے اور خواہ مخواہ اچھے خاصے انجن سے الجھنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد صغیر بابر کی کار پھاٹک سے نکلی۔ حمید نے ایک ہی نظر میں دیکھ لیا کہ زہرہ جمال اکیلی ہے۔ بوڑھا ڈرائیور کار ڈرائیو کر رہا ہے۔

جب کار کافی دور نکل گئی تو حمید نے بھی اپنی کار اسٹارٹ کر دی۔ وہ کافی فاصلے سے زہرہ جمال کی کار کا تعاقب کر رہا تھا۔

کلچر سینٹر کی عمارت کے سامنے پہنچ کر اگلی کار رُک گئی اور حمید نے اپنی کار کی رفتار کم کر دی۔ پھر اُس نے زہرہ جمال کو کار سے اُتر کر عمارت میں داخل ہوتے دیکھا۔ اُس کے ڈرائیور نے اپنی گاڑی دوسری گاڑیوں کی قطار کے ساتھ لگا دی۔

حمید آگے نکل گیا۔ اس نے اپنی کار عمارت کی پشت پر روک دی، اور اتر کر اُس جگہ چلا آیا جہاں دوسری کاریں کھڑی ہوئی تھیں۔ ان میں سے کئی کے ڈرائیوروں کو وہ اچھی طرح پہچانتا تھا۔ یہ شہر کے مشہور اور اعلیٰ طبقے کے لوگوں سے متعلق تھے۔ ویمنز کلچر سینٹر تھا ہی اعلیٰ طبقے کی عورتوں کے لئے۔ ویسے تو اس کی ممبر شپ کے لئے کوئی خاص قسم کی قیود نہیں تھیں۔ لیکن متوسط طبقے کی عورتوں کا احساس کمتری انہیں یہاں لانے ہی کیوں لگا۔

کلچر سنٹر صرف عورتوں کے لئے تھا۔ مردوں کا داخلہ قطعی ممنوع تھا۔

حمید بھی عمارت کے طویل برآمدے میں آ بیٹھا۔ جہاں دوسرے خدمت گار، چپراسی اور موٹر ڈرائیور بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے حمید کو گھور کر دیکھا لیکن کوئی کچھ بولا نہیں۔ حمید نے جیب سے پاسنگ شو کا پیکٹ نکالا ایک سگریٹ نکال کر اُس کا کونا ڈبیہ پر ٹھونکتا رہا پھر دیا سلائی کے لئے جیبیں ٹٹول کر مایوسانہ انداز میں ہونٹ سکوڑتے ہوئے زہرہ جمال کے ڈرائیور کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"ماچس اُو گا بھائی؟" اُس نے ٹھیٹھ کابلی لہجے میں پوچھا۔

زہرہ جمال کے ڈرائیور نے چپ چاپ دیا سلائی بڑھا دی۔

"تم بھی پیو.....!" حمید اُس کی طرف پیکٹ بڑھاتا ہوا بولا۔

"نہیں خان ہم بیڑی پیتا ہے۔" ڈرائیور نے بڑی خوش اخلاقی سے اس کی دعوت رد کر دی۔

"اچا بائی.....!" حمید پیکٹ جیب میں رکھتا ہوا بولا۔

اس نے سگریٹ سلگا کر صحیح معنوں میں چرسیوں کی طرح دم لگایا اور کھانسیوں کے وقفوں کے درمیان بولا۔ "تمہارا بیگم صاب اندر او تا۔"

"ہاں.....!" ڈرائیور نے اس طرح سر ہلا دیا جیسے وہ کسی بہرے آدمی سے مخاطب ہو۔

حمید کا ارادہ تھا کہ وہ اس سے زہرہ جمال کے متعلق کچھ معلومات بہم پہنچائے گا اور اب سوچ رہا تھا کہ تصویر کے کسی رخ کو روشنی میں لائے۔ دفعتاً اُس نے پے در پے ہارن کی آوازیں سنیں۔ پہلے تو اُس نے دھیان نہ دیا۔ پھر جب یہ سلسلہ جاری ہی رہا تو اُس نے سوچا کہ کہیں وہ اس کی ہی کار کا ہارن نہ ہو۔ اسے خیال آیا کہ اُس نے جلدی میں کار بے قاعدہ طور پر کھڑی کر دی تھی کہیں وہ ٹریفک کانسٹیبل کی نظر پر نہ چڑھ گئی ہو۔

وہ وہاں سے اٹھ کر عمارت کی پشت پر آیا۔ اس کا خیال صحیح تھا۔ اُسی کی کار کا ہارن تھا جس کی آوازیں اب بھی جاری تھیں۔ شائد کوئی اندر بیٹھا ہوا ہارن بجا رہا تھا۔ حمید کو پہلے تو حیرت ہوئی پھر فوراً ہی خیال آ گیا کہ اُس نے اس میں ٹیکسی کا میٹر فٹ کر رکھا ہے۔

اُس نے انتہائی ادب آمیز طریقے پر کار کی کھڑکی سے اندر جھانکا اور دوسرے ہی لمحے میں اگر اُس نے خود کو سنبھال نہ لیا ہوتا تو شائد اُس کے منہ سے ایک حیرت زدہ سی آواز نکل جاتی۔

پچھلی سیٹ پر زہرہ جمال بیٹھی تھی۔

"ٹمپل روڈ.....!" اُس نے آہستہ سے کہا۔

"اچا میم ساب۔ ولے میٹر خراب ہے۔" حمید نے مؤدبانہ کہا۔

"فکر مت کرو۔" زہرہ نے کہا اور حمید نے کار اسٹارٹ کر دی لیکن سوچ رہا تھا کہ اس کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ وہ صدر دروازے سے عمارت میں داخل ہوئی تھی اور پھر پچھلے دروازے سے نکل کر اب ایک ٹیکسی میں سفر کر رہی تھی۔ جب کہ خود اسی کی کار عمارت کے سامنے موجود تھی اور ڈرائیور کو غالباً اس نے اسی دھوکے میں رکھا تھا کہ وہ عمارت کے اندر ہی موجود ہے۔

زہرہ جمال اس وقت سفید جارجٹ کی ساری اور سفید ہی بلاؤز میں کافی نکھری ہوئی معلوم ہو رہی تھی۔ کالی رنگت کا سلونا پن کچھ اور ابھر آیا تھا۔

ٹمپل روڈ پر پہنچتے ہی اُس نے ہوٹل پام گرو کے سامنے کار رکوائی اور اتر گئی۔ دس روپے کا نوٹ حمید کے ہاتھ پر رکھ کر وہ پھاٹک کی طرف مڑی۔ چند لمحے کھڑی ادھر اُدھر دیکھتی رہی پھر اندر چلی گئی۔ حمید نے بھی ادھر اُدھر دیکھا اور میٹر کو نکال کر سیٹ پر ڈال دیا۔

اب وہ اپنی کار ہوٹل کے گیرج میں لے جا رہا تھا۔ چونکہ اس نے ٹیکسی والا میٹر نکال دیا تھا اس لئے واچ مین نے کوئی اعتراض نہ کیا۔

گیرج میں پہنچ کر اُس نے سب سے پہلے بند گلے کا کوٹ اُتار پھینکا جس کے نیچے اس نے سفید قمیض اور سفید سوئٹر پہن رکھی تھی۔ کار کے ڈیش بورڈ کے اوپر لگے ہوئے آئینے میں دیکھ کر اُس نے نہایت احتیاط سے اپنی ڈاڑھی الگ کی۔ پھر سیاہ رنگ کے خضاب کی شیشی نکال کر اپنی بھوری مونچھیں رنگ ڈالیں۔اب وہ سیاہ اور گھنی مونچھوں والا ایک خوبرو جوان نظر آرہا تھا۔اس نے آئینے پر آخری نظر ڈالی اور انجن کو لاک کر کے نیچے اتر آیا۔

پھر دو یا تین منٹ کے بعد وہ ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں نظر آرہا تھا۔ لیکن زہرہ جمال کا کہیں پتہ نہ تھا۔ حمید ایک خالی میز پر بیٹھ کر پر تشویش نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ دوسرے ہی لمحے میں ایک ویٹر اس کے سر پر موجود تھا۔

"ٹھہرو! ابھی مجھے ایک صاحب کا انتظار ہے۔" حمید آہستہ سے بولا۔ "ویسے کیا ابھی کوئی صاحبہ سفید ساڑی اور سفید بلاؤز میں یہاں آئی تھیں۔ رنگ سلونا ہے۔"

ویٹر بڑے ادب سے مسکرایا اور اپنی گردن کو مایوسانہ انداز میں ہلاتا ہوا چلا گیا۔

تو پھر وہ کہاں گئی۔ حمید سوچنے لگا۔ پھر اسے خیال آیا کہ ہوٹل کے داہنے اور اور بائیں بازوؤں میں قیام کرنیوالوں کیلئے کمرے بھی ہیں ممکن ہے وہ انہیں میں سے کسی ایک میں گئی ہو۔

حمید چند لمحے بیٹھا سوچتا رہا پھر اٹھ کر باہر چلا آیا۔ دفعتاً اس کی نظریں بائیں بازو والے کمروں کی طرف اٹھ گئیں اور وہ بے اختیار چونک پڑا۔ زہرہ جمال ایک کمرے کا دروازہ مقفل کر کے مڑی ہی تھی کہ اس کی اور حمید کی نظریں چار ہو گئیں۔ حمید کی حیرت اور زیادہ بڑھ گئی۔ اب وہ تھوڑی دیر قبل کی بھولی بھالی زہرہ جمال نہیں تھی۔ اس کی سادگی رخصت ہو چکی تھی۔ یہی نہیں بلکہ اب اس کے متعلق شائد کوئی غیر شناسا آدمی یہ سوچ بھی نہ سکتا کہ وہ ایک باسلیقہ اور شستہ مذاق کی عورت ہے۔ اس نے گہرے سرخ رنگ کی ساری باندھ رکھی تھی البتہ بلاؤز غالباً پہلے ہی کا تھا۔ حمید نے اُسے پہلے بھی دوبار قریب سے دیکھا تھا۔ لیکن اسے یاد نہیں آرہا تھا کہ ان دونوں مواقع پر اس کے ہونٹ لپ اسٹک سے رنگے رہے ہوں یا کالے کلوٹے گالوں پر گہرے قسم کا روج رہا ہو۔ بہر حال وہ اس وقت ایک حد درجہ پھوہڑ اور گھناؤنی عورت نظر آرہی تھی۔ اس نے اپنے بالوں میں اس طرح کے گنگورے نکال رکھے تھے جیسے عموماً ہر گھٹیا قسم کی طوائف نکالے رہتی ہے۔ برآمدے سے نیچے اترتے وقت اس نے منہ پر اس انداز سے رومال رکھ لیا کہ ناک کا کچھ

حصہ اور ہونٹ بالکل چھپ گئے۔

حمید کو زہرہ جمال پر شبہ ضرور تھا لیکن اسے خواب میں بھی اس کا گمان نہیں تھا کہ یہ شبہ ایک پراسرار حقیقت بن کر اس کے سامنے آئے گا۔ اس کے شبے کی ابتداء زہرہ جمال کی کلچر سینٹر کی ممبری سے ہوئی تھی کیونکہ وہ ساری عورتیں جو پلازا تھیٹر میں لٹی تھیں سب ہی کلچر سنٹر کی ممبر تھیں اور زہرہ جمال ان سے اچھی طرح واقف تھی۔ اس شبے کے باوجود بھی حمید کو اس کا خیال تک نہیں آیا تھا کہ وہ ان سازشوں میں دیدہ و دانستہ کوئی عملی حصہ بھی لے رہی ہے۔ اس کے ذہن میں صرف ایک امکانی وقوعہ تھا۔ یہی کہ کوئی زہرہ جمال کو دھوکے میں ڈال کر اس سے اعلیٰ طبقہ کی عورتوں اور ان کے قیمتی زیورات کے متعلق معلومات بہم پہنچایا کرتا ہے اور یہ بات بعید از قیاس بھی نہیں تھی کیونکہ حالات ہی ایسے تھے۔ زہرہ کے متعلق رابعہ سے ملی ہوئی ساری اطلاعات کا ماحصل یہ تھا کہ زہرہ ایک غریب گھرانے کی لڑکی تھی اور اس کی شادی بوڑھے صغیر بابر سے محض دولت کے لالچ میں کر دی گئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اونچے طبقے کی عورتوں میں مل بیٹھنے کے لئے نت نئے طریقے اختیار کرتی رہتی تھی۔ یہاں تک کہ رابعہ کی بہم پہنچائی ہوئی اطلاعات تھیں اور اس کے آگے کی خلاء خود حمید کے ذہن نے پر کی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ زہرہ اپنی شکل و صورت کے معاملے میں احساس کمتری کا شکار تھی۔ اس لئے یہ بات بعید از قیاس نہیں ہو سکتی کہ کوئی خوبصورت مرد اُسے آسانی سے اپنی طرف متوجہ کرنے میں کامیاب نہ ہو جاتا خود حمید کو ذاتی طور پر بھی اس کا تجربہ ہو چکا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی ایسا ہی آدمی باتوں ہی باتوں میں اُس سے اپنے کام کی باتیں معلوم کر لیتا رہا ہو۔ اور پھر اس نے اس پر بھی ہاتھ صاف کر دیا تاکہ پولیس اس کے امکانات پر غور کرنے کی زحمت ہی نہ گوارا کر سکے۔

بہر حال حمید کو اس پر اسی بات کا شبہ تھا کہ وہ نادانستگی میں کسی آدمی کو اُس کے کام کی باتیں بتا دیا کرتی ہے اور آج اُس نے اس کا تعاقب بھی اسی لئے کیا تھا کہ وہ اُس کے مرد دوستوں سے واقفیت حاصل کر سکے۔ مگر اب اُسے یہ سوچنے پر مجبور ہو جانا پڑا کہ خود زہرہ بھی ان وارداتوں کے سلسلے میں کوئی بہت ہی اہم رول انجام دے رہی ہے.... ورنہ اس طرح چھپ کر میٹنگ سے بھاگنے کا کیا مطلب ہو سکتا تھا۔ آخر اس نے ہوٹل پام گرود میں کمرا کیوں لے رکھا تھا اور پھر وہاں سے ایک دیہقانی قسم کی پھوہڑ طوائف کے روپ میں برآمد ہونے کا کیا مقصد تھا۔

حمید دوسری طرف منہ پھیر کر اُسے کنکھیوں سے دیکھتا رہا۔ وہ بدستور منہ پر رومال رکھے پھاٹک کی طرف جارہی تھی۔اس کے گذر جانے کے بعد حمید خود بھی آہستہ آہستہ چلتا ہوا پھاٹک کے قریب آیا۔

زہرہ جمال سڑک کے کنارے کھڑی ہوئی ایک ٹیکسی میں بیٹھ رہی تھی۔ پھر حمید نے گاڑی کو دوسری سڑک کی طرف مڑتے دیکھا۔ وہ پھرتی سے ایک ٹیکسی میں بیٹھتا ہوا ڈرائیور سے بولا۔

''اسی گاڑی کے پیچھے چلو! مگر ذرا فاصلے سے۔''

ڈرائیور اس کی طرف مڑ کر معنی خیز انداز میں مسکرایا اور حمید نے بھی جوابی مسکراہٹ کے ساتھ بائیں آنکھ دبا دی۔

''ذرا آہستہ۔'' حمید بڑبڑایا۔''اس کے قریب پہنچنے کی ضرورت نہیں۔''

''کیا صاب آپ بھی.....ہی ہی ہی!'' ٹیکسی ڈرائیور ہنسا۔''اگر اس کا شوق ہے تو میں لے چلوں۔''

''نہیں یار.... چیز ہے۔'' حمید دانت پر دانت جما کر بولا۔

''واہ صاب!'' ڈرائیور پھر ہنس پڑا۔''اپن کو تو وہ اپنی ٹیکسی سے بھی زیادہ چلی ہوئی جان پڑتی ہے۔''

حمید کچھ نہ بولا۔

سورج غروب ہو رہا تھا اور خنکی بڑھ رہی تھی۔ حمید کے جسم پر صرف ایک قمیض اور ایک ہلکی سی سویٹر تھی۔ کھلی ہوا میں آتے ہی کان منجمد ہونے لگے۔

''آپ کہو تو......!'' ڈرائیور بڑبڑایا۔''اگر طبیعت خوش نہ کردوں تو مونچھ اکھاڑ کر کتے کی دم میں باندھ دینا۔ شہر میں کسی سے پوچھ لینا جماخان کہاں ملے گا۔ توبہ توبہ بڑا بول نہیں بولتا۔''

''ضرور ضرور جماخان!'' حمید نے کہا۔''مگر ذرا آہستہ پیارے...... میں نہیں چاہتا کہ وہ مجھے دیکھ لے۔'' حمید مسکرا کر بولا۔

''ارے واہ صاحب! ڈر کا ہے کا۔ کہو تو بیچ سڑک پر کھینچ لوں سالی کو۔ اگر نہ کھینچ لوں تو جماخان کی ماں کا کونڈا کردینا۔''

''نہیں بھائی نہیں۔''

"خیر اپن کو کیا۔" وہ مایوسی سے گردن ہلا کر بولا اور رفتار کم ہو گئی۔

وہ کئی سڑکوں سے گذرتے ہوئے ارجن پورے کی طرف مڑ گئے۔ یہاں سڑک کے دونوں طرف اونچی اونچی عمارتیں تھیں لیکن نہایت ہی بھدی اور بد وضع۔ پلاسٹر ادھڑا ہوا۔ دیواریں قلعی اور مرمت سے بے نیاز۔ بعض عمارتیں تو کائی جمتے جمتے پوری کی پوری سیاہ ہو گئی تھیں۔ حمید جانتا تھا کہ ان عمارتوں میں سے ہر ایک میں کم از کم پچاس ساٹھ کمرے ضرور ہیں اور کمرے میں دس دس آدمی رہتے ہیں۔ رہتے نہیں بلکہ ان کا سامان رہتا ہے۔ وہ بیچارے تو فٹ پاتھ پر راتیں گذارتے ہیں۔

دو عمارتوں کی درمیانی گلی کے سامنے زہرہ جمال کی گاڑی رک گئی۔ حمید کی گاڑی کافی فاصلے پر تھی۔ اس نے زہرہ جمال کو ٹیکسی سے اُتر کر گلی میں داخل ہوتے دیکھا۔ جب تک حمید کی گاڑی وہاں پہنچی وہ نظروں سے غائب ہو چکی تھی۔

وہ ٹیکسی والے کو فارغ کر کے گلی میں آیا جہاں تاریکی، گندگی اور بدبو کے علاوہ پوری گلی سنسان پڑی تھی۔

اس لمبی گلی میں دونوں طرف تین چار گلیاں اور بھی تھیں۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کیا کرے۔ اسے ہرگز اس کی توقع نہیں تھی کہ وہ اس علاقے میں ملے گی جہاں مزدوروں اور نچلے طبقے کے لوگوں کے علاوہ اور کوئی نہیں رہتا۔ وہ تھوڑی دیر تک ناک پر رومال رکھے گلیوں کے چکر کاٹتا رہا پھر اکتا کر سڑک پر آگیا۔

ایک تار

دوسری صبح سرجنٹ حمید بہت زیادہ اداس تھا۔ پچھلی رات وہ ارجن پورے سے ہوٹل پام گرو آکر بڑی دیر تک زہرہ جمال کا انتظار کرتا رہا تھا۔ لیکن پھر اکتاہٹ بڑھ جانے کی وجہ سے اُسے بھاگنا ہی پڑا۔ اس نے غیر قانونی طور پر زہرہ جمال کے کمرے کی تلاشی بھی لینی چاہی تھی۔ لیکن اس میں بھی کامیابی نہ ہوئی۔ ہوٹل کا رجسٹر دیکھنے پر معلوم ہوا تھا کہ زہرہ جمال وہاں مس رنگولا کے نام سے مستقل طور پر مقیم تھی اور ہوٹل کا کاؤنٹر کلرک اسے ایک پیشہ ور پرائیویٹ نرس کی

حیثیت سے جانتا تھا۔ بہر حال زہرہ جمال بڑی پُر اسرار حیثیت اختیار کر چکی تھی۔

پچھلی رات کی ناکامی کا حمید کو اس قدر افسوس تھا کہ وہ اس وقت بھی پلنگ پر پڑے ہی پڑے تاؤ کھانے کے علاوہ اور کچھ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

کسی نے اس کے کمرے کے دروازے پر دستک دی۔ حمید نے بُرا سا منہ بنا کر دروازہ کھول دیا۔

"کیا وقت ہوا ہے؟" فریدی نے دروازہ کھلتے ہی پوچھا۔

"کیا آپ کی گھڑی بند ہو گئی۔"

"میں آج پھر کہتا ہوں کہ اگر میں نے سات بجے کے بعد تمہیں پلنگ پر دیکھا تو بہت بُری طرح پیش آؤں گا۔"

"میں نے آج پھر سن لیا۔" حمید لاپروائی سے بولا۔

"دماغ صحیح ہے یا نہیں۔"

حمید نے زبردستی ایک قہقہہ لگایا اور پھر یک بیک سنجیدہ ہو کر بسورنے لگا۔

فریدی کو ہنسی آ گئی۔

تھوڑی دیر بعد دونوں ناشتے کی میز پر زہرہ جمال کے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔

"تم اس چکر میں نہ پڑو کہ وہ کہاں جاتی ہے یا کیا کرتی ہے۔" فریدی نے کہا۔ "صرف اس کے دوستوں کا پتہ لگاؤ۔"

"شاید آپ کی نیند بھی پوری نہیں ہوئی۔" حمید نے مضحکانہ انداز میں مسکرا کر کہا۔

"کیوں....؟"

"کمال کرتے ہیں۔ بھلا اس کے دوستوں کا پتہ پھر کس طرح چلے گا۔"

"تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ سیاہ پوش ان مزدوروں، نعلبندوں اور لوہاروں میں سے کوئی ہے جو ارجن پورے میں رہتے ہیں۔"

نہیں میں یہ تو نہیں سوچتا لیکن اس پر ضرور غور کر رہا ہوں کہ وہ ان عمارتوں میں سے کسی ایک کمرہ کو کرائے پر لے کر اُسے کس مقصد کے لئے استعمال کر سکتا ہے۔

"چلو یہی سہی۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "تم کو اس بات پر یقین آ چکا ہے کہ وہ باقاعدہ طور پر سیاہ پوش سے ملی ہے۔ لیکن یہ تو بتاؤ کہ اُس نے نہایت صفائی سے اس بات کا اعتراف کیوں

کر لیا تھا کہ وہ پلازا تھیٹر میں لٹ جانے والی عورتوں سے واقف ہے۔ میرا خیال ہے کہ اگر وہ دانستہ طور پر اس کی مددگار ہوتی تو یہ ظاہر کرنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھتی کہ وہ اُن عورتوں سے واقف تھی اور اب تو وہ بیچاری تمہارے لئے کلچر سنٹر کی ساری ممبروں کے نام اور پتے فراہم کر رہی ہے۔ صبح سے اب تک میں نے فون پر چھ عورتوں کے پتے ریسیو کئے ہیں اور وہ شائد تم سے ملنا بھی چاہتی ہے۔"

"لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کی پچھلی رات والی عجیب حرکتوں سے کیا مطلب اخذ کروں۔ آخر اس نے ہوٹل پام گردو میں ایک پرائیویٹ نرس کی حیثیت سے کمرہ کیوں لے رکھا ہے۔ اپنا نام کیوں بدل دیا ہے۔"

"سنو بیٹے۔" فریدی سگار کا کش لے کر بولا۔ "اس سیاہ پوش میں بھی محض رابعہ کے ہار کی وجہ سے دلچسپی لے رہا ہوں۔"

"یعنی آپ کو اس سیاہ پوش سے کوئی دلچسپی نہیں۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"قطعی نہیں۔"

"آخر کیوں!"

"بس یونہی! میں اس میں اس وقت دلچسپی لوں گا جب وہ کوئی بھاری جرم کر بیٹھے۔ کیا تم نے.... مگر نہیں تم نے کہاں دیکھا ہوگا۔"

"کیا....؟"

"آج کا اخبار....!"

"کیا ہے آج کے اخبار میں۔" حمید اخبار کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔ لیکن اسے اٹھا بھی نہ پایا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

"ذرا دیکھنا بھئی!" فریدی منہ بگاڑ کر بولا۔ "میرا خیال ہے کہ زہرہ جمال ہے۔"

حمید اخبار ہاتھ میں دبائے ہوئے فریدی کے کمرے میں چلا گیا۔ فریدی کا خیال صحیح نکلا وہ زہرہ جمال ہی تھی اور اپنی دانست میں اُس نے حمید کو ایک بڑی عجیب اطلاع بہم پہنچائی تھی۔ وہ یہ کہ اس کا نیکلس اُسے واپس مل گیا تھا۔

"آپ کو یقین ہے کہ وہ آپ ہی کا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"جی ہاں! کیوں نہیں۔"

"کہنے کا مطلب یہ ہے کہ کہیں وہ آپ کے نیکلس کی نقل تو نہیں....!"

"اوہ.... آپ نے تو مجھے الجھن میں ڈال دیا۔ لیکن مجھے اصلی اور نقلی نگینوں کی تمیز نہیں۔"

"تو ایسا کیجئے نا کہ کسی جوہری سے پرکھوا کر اپنی پہلی فرصت میں مجھے مطلع کیجئے۔ نہ جانے کیوں آپ سے ملنے کو بہت دل چاہتا ہے۔"

حمید نے اس کے جواب میں ایک کھنکتا ہوا سا قہقہہ سنا جس کی سیکس اپیل فون پر بھی برقرار تھی۔

"تو آپ ملتے کیوں نہیں۔ کس نے منع کیا ہے۔"

"ہاں.... آں.... لیکن صغیر صاحب سے خوف معلوم ہوتا ہے۔ وہ کچھ شکّی قسم کے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔"

"تو پھر کہیں اور ملئے۔"

"آج شام کو آرلکچنو میں۔" حمید نے کہا۔

"نہیں.... کیفے کاسینو کے متعلق کیا خیال ہے۔"

"چلئے وہ بھی ٹھیک رہے گا۔" حمید نے کہا۔ "تو پھر کس وقت...."

"سات بجے! میں وہاں آپ کا انتظار کروں گی۔ اپنے ساتھ کچھ اور پتے بھی لاؤں گی۔"

"شکریہ....!" حمید نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔ کیفے کاسینو کے نام پر اسے کنول یاد آ گئی تھی جو کیفے کاسینو میں کاؤنٹر کلرک تھی کنول جو ایک اچھی سراغ رساں بھی تھی۔

واپسی پر حمید نے فریدی کو زہرہ جمال کے نکلس کی واپسی کی خبر سنائی۔

"اخبار نہیں پڑھا تم نے۔" فریدی نے پوچھا۔ "ایڈیٹر کے خطوط کا کالم دیکھو۔"

حمید نے خطوط والا کالم نکالا۔

"ڈیئر ایڈیٹر....

مسخرہ بھیڑیا آپ کی وساطت سے یہ خبر اپنے چاہنے والوں کو پہنچانا چاہتا ہے کہ اس نے اس شہر میں اب تک جتنی بھی وارداتیں کی ہیں اُن کا مال غنیمت مالکوں کو واپس کر رہا ہے۔ مسخرہ بھیڑیا حقیقتاً لٹیرا نہیں۔ اُسے تو صرف قانون سے چھیڑ چھاڑ کرنے میں لطف آتا ہے اور مسخرہ

بھیڑیا اپنے چاہنے والوں کو مطلع کرنا چاہتا ہے کہ وہ کچھ دنوں تک ان کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکے گا۔ وہ ایک نئے اور دلچسپ مسئلے میں الجھ گیا ہے۔ پبلک کو معلوم ہو گا کہ مسخرے بھیڑیئے نے ترمذی خاندان کا تاریخی ہار بھی اڑا لیا تھا۔ لیکن پبلک کو یہ اطلاع دیتے وقت مسخرے بھیڑیئے کو افسوس ہو رہا ہے کہ وہ ہار نقلی تھا۔ اُس ہار کو بھی واپس کر دیا گیا لیکن رابعہ نکہت صاحبہ کو بھی یہ بات نہیں معلوم تھی کہ وہ ہار نقلی ہے۔ انہوں نے ۱۶ر جنوری کو صبح دس بجے وہ ہار سیٹھ نانو بھائی جوہری سے پرکھوایا۔ اس پر جوہری صاحب کو بھی حیرت ہوئی کیونکہ وہ تین ماہ قبل اسی ہار کو ایک انتہائی بیش قیمت چیز کی حیثیت سے پرکھ چکے تھے۔ محترمہ رابعہ حیران ہیں۔ انہیں یقین ہے کہ مسخرے بھیڑیئے ہی نے یہ حرکت کی ہے۔ اسی نے اُن کا اصلی ہار دبا کر ان کی خدمت میں اُس کی نقل پیش کر دی ہے۔ محترمہ رابعہ یقین کریں کہ مسخرہ بھیڑیا لٹیرا ضرور ہے لیکن اپنے اصولوں کا خون نہیں کرتا۔ مسخرہ بھیڑیا اُن کا نقلی ہار دوبارہ واپس لایا ہے اور اب وہ اصلی ہار کی تلاش میں ہے لیکن وہ یہ کام مفت نہیں کرے گا۔ اصلی ہار مل جانے پر وہ اُسے ان تک پہنچا تو دے گا لیکن اس ہار کا بڑا اور تاریخی ہیرا حق المحنت کے طور پر اپنے پاس ہی رکھ لے گا۔

آپ کی بہترین دعاؤں کا متمنی

مسخرہ بھیڑیا۔"

"یہ تو بہت بُرا ہوا۔" حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔

"کیوں۔ بُرا کیوں ہوا۔"

"رابعہ نہیں چاہتی تھی کہ یہ معاملہ پبلک میں آئے۔"

"ایک نہ ایک دن تو اُسے آنا ہی پڑتا۔"

"پتہ نہیں یہ بات کہاں تک سچ ہے کہ اس نے دوسرے لوگوں کو بھی چیزیں واپس دی ہیں۔"

"قطعی واپس کر دی ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "کل میں پتہ لگا چکا ہوں اور ان میں کوئی چیز بھی نقلی نہیں۔"

"پتہ نہیں اس کا مقصد کیا ہے۔"

"ظاہر ہو جائے گا۔" فریدی کے لہجے میں خود اعتمادی تھی۔

ٹیلی فون کی گھنٹی پھر بجی اور حمید کو پھر فریدی کے کمرے تک جانا پڑا اور اسے پھر وہی سریلی آواز سنائی دی۔ زہرہ جمال اُسے بتا رہی تھی کہ نکلس کے نگینے نقلی نہیں تھے۔ آخر میں اُس نے کہا کہ وہ کیفے کاسینو والا پروگرام بھولے نہیں۔

واپسی پر حمید نے دیکھا کہ فریدی ایک براؤن رنگ کا کاغذ ہاتھ میں لئے اُس پر نظریں جمائے ہوئے ہے۔ حمید نے ایک ہی نظر میں بھانپ لیا کہ وہ کہیں سے آیا ہوا تار ہے۔ فریدی نے کاغذ کو تہہ کر کے جیب میں رکھ لیا۔ لفافہ میز ہی پر پڑا رہا۔ اس پر فریدی ہی کا پتہ تحریر تھا۔

"خیریت.....!" حمید نے پوچھا۔

"کوئی خاص بات نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "ہاں فون پر کون تھا۔"

"جی کا جنجال یعنی محترمہ جمال۔"

"کوئی نیا پتہ.....!" فریدی مسکرا کر بولا۔

"نہیں نکلس کے متعلق اطلاع کہ نگینے اصلی ہیں۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ اس کی نظریں حمید کے چہرے پر تھیں لیکن ذہن کہیں اور تھا۔

"آپ تو سچ مچ شرلاک ہومز ہوتے جا رہے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"آہ! واٹسن میرے عزیز.....!" فریدی مضحکانہ انداز میں مسکرا کر بولا۔ "خدا منشی تیر تھ رام فیروز پوری کی مغفرت کرے کہ انہوں نے مجھے اردو میں لا کر بات بات پر آہ بھرنے پر مجبور کر دیا اور میری مٹی اس طرح پلید کی کہ اردو والے مجھے مولوی شرلاک ہومز مدظلہ سمجھنے لگے۔ میں انگریزی کے بجائے لکھنو کا باشندہ ہو کر رہ گیا۔

"چھوڑیئے! میں اس وقت بہت مغموم ہوں۔"

"غم کی وجہ پیارے ڈاکٹر واٹسن۔ بلکہ واٹس میرے عزیز رشتے دار..... وغیرہ وغیرہ۔"

"فریدی صاحب! میں سچ مچ اداس ہوں۔"

"تم اداس نہیں۔" اگر تم لفظ اداس کی اصلیت سے واقف ہوتے تو کبھی ایسا نہ کہتے۔"

"کیوں.....؟ اس کی اصلیت.....؟" حمید بولا۔

"ہاں پیارے یہ حقیقتاً الوداس تھا جو کثرت استعمال سے بگڑتے بگڑتے اداس رہ گیا۔"

حمید صرف مسکرا کر رہ گیا۔ تھوڑی دیر بعد خاموشی رہی۔ پھر فریدی بولا۔

"اب تم زہرہ جمال کے پیچھے نہیں جاؤ گے۔"

"کیوں....؟" حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"وقت برباد کرنے سے کیا فائدہ۔"

"ارے! ابھی کچھ ہی دیر پہلے آپ نے کہا تھا کہ زہرہ جمال کے دوستوں کا پتہ لگاؤ۔"

"کافی دیر پہلے کی بات ہے۔ اب پوری بساط ہی مل گئی ہے۔"

"یعنی....!"

"پھر وہی۔ یعنی.... جو کہا جائے وہ کرو۔"

"نہیں کرتا۔" حمید جھنجھلا گیا۔

"مت کرو۔ ویسے اگر کہیں باہر جانا ہو تو ایک تار دے دینا۔"

"آخر آپ نے اتنی جلدی اسکیم کیوں بدل دی۔ کیا زہرہ جمال مشتبہ نہیں ہے۔ کیا میں نے خود ہی اپنی آنکھوں سے عجیب قسم کی حرکتیں کرتے نہیں دیکھا ہے۔"

حمید اُسے عجیب نظروں سے دیکھتا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ فریدی کا دماغ تو نہیں چل گیا۔

کچھ دیر خاموشی رہی پھر فریدی بجھا ہوا سگار سلگا کر بولا۔

"تم نے کہا تھا کہ سیاہ پوش تمہارا شکار ہے۔"

"اب بھی یہی کہتا ہوں۔"

"لیکن تم اس پر ہاتھ نہ ڈال سکو گے۔"

"ہو سکتا ہے۔" حمید نے خشک لہجے میں کہا۔

"لیکن اگر میرے کہنے پر عمل کرو تو یہ کچھ ایسا مشکل بھی نہیں۔"

"فرض کر لیجئے میں نے عمل کرنے کا وعدہ کر لیا۔"

"تو پھر میں بھی فرض کئے لیتا ہوں کہ تم رابعہ کے عاشقوں کی تعداد ضرور معلوم کرو گے۔"

"فرض کیجئے یہ بھی ہو گیا۔"

"اگر یہ بھی ہو جائے تو پھر تمہیں یہ معلوم کرنا ہو گا کہ وہ خود کس کیطرف زیادہ جھک رہی ہے۔"

"ہوں۔" حمید اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "تو میں عاشقوں کی فہرست تیار کرنے کے لئے پیدا ہوا ہوں۔"

"نہیں! احمقوں کی تعداد میں اضافہ کرنے کے لئے.... تم جانو! میرا کام تو رکتا ہی نہیں۔"

"آپ مجھے چیلنج کر رہے ہیں۔" حمید اکڑ کر بولا۔ "اچھا دیکھ لوں گا۔"

"میں اس پر بھی قادر ہوں کہ تمہیں کوئی شرارت نہ کرنے دوں گا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "رمیش والا کیس بھول گئے۔"

"اب دھوکا نہ کھا سکوں گا"۔ حمید اکڑ کر بولا۔

"اور ہاں فرزند...... میں اس کا بھی ذمہ دار نہ ہوں گا کہ اگر میرے ریوالور کی گولی دھوکے میں تمہارا ہی سر کھول دے۔"

حمید کوئی جواب دینے کی بجائے پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ فریدی سے اس بدلتے ہوئے نقشے کے بارے میں کچھ معلوم کر لینا آسان نہ ہوگا۔ پہلے اس نے زہرہ جمال کے پیچھے لگایا تھا اور اب رابعہ کے پیچھے لگا رہا تھا۔ آخر اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ رابعہ تو بالکل ہی بے ضرر معلوم ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف زہرہ جمال کی نقل و حرکت صریحی طور پر کسی خطرناک سازش کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ آخر اُسے چھوڑ کر رابعہ کیوں؟

فریدی نے ایک نوکر کو آواز دے کر کہا۔ "لائبریری سے تار کا فارم لاؤ۔"

تھوڑی دیر بعد وہ تار کا ایک سادہ فارم سامنے رکھے فاؤنٹین پن ہاتھ میں لئے کچھ سوچ رہا تھا۔ حمید فی الحال ان معاملات کو اپنے ذہن سے دھکا دے کر صرف رابعہ کے حسین پیروں کے متعلق سوچ رہا تھا۔ پھر خیالات کی رو زہرہ جمال کے پیروں کی طرف بہک گئی۔ اُس کے پیر بھی کچھ ایسے بُرے نہیں تھے۔ لیکن سنگ موسیٰ اور سنگ مرمر میں بڑا فرق ہوتا ہے۔

اس دوران میں فریدی نے تار کے فارم پر لکھنا شروع کر دیا۔

"ترمذی خاندان کے ہار کے متعلق سکوت اختیار کرو۔ اسے پبلک میں نہ آنا چاہئے۔ متعلقین سے خفیہ طور پر بات چیت کر سکتے ہو۔ ہر نئے واقعے سے مطلع کرنا۔"

تحریر کے نیچے فریدی نے اپنا پورا نام اور عہدہ لکھا۔ تار سعید آباد کے کسی آدمی کے لئے تھا جسے حمید نہیں جانتا تھا اور نہ اس سے پہلے اس نے کبھی اس کا نام ہی سنا تھا۔

لٹیرے کا لباس

حمید نے رابعہ کے مداحوں کی فہرست تو تیار کرلی تھی لیکن ابھی تک یہ نہ معلوم کر سکا تھا کہ وہ خود بھی کسی میں دلچسپی لے رہی ہے یا نہیں۔ اس نے اس دوران میں اکثر سوچا تھا کہ ضروری نہیں کہ فریدی کا ہر فیصلہ حقیقت کے مطابق ہو۔ دھوکا کھائے ہوئے ذہن کی منطق بھی غلط راستے پر جا پڑتی ہے۔ فریدی بھی انسان ہی تھا اور پھر سراغ رساں جو ہمیشہ واقعات کو اپنے قائم کردہ قیاسات کی روشنی میں دیکھتا ہے اور یہ ضروری نہیں کہ ہر قیاس حقیقت ہی کی طرف لے جائے۔ حمید کئی دن تک زہرہ جمال اور رابعہ کے متعلق سوچتا رہا۔ زہرہ اس کی نظروں میں مشتبہ تھی۔ رابعہ کے خلاف اس کے پاس کسی قسم کا کوئی ثبوت نہیں تھا۔ آخر فریدی اس کے عاشقوں کی فہرست کیوں تیار کرا رہا تھا۔ اُس نے کئی بار اُسے اس مسئلے پر بولنے کے لئے اکسایا لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ فریدی یہی کہہ کر ٹال دیتا کہ ابھی بعض معاملات خود اس کے ذہن میں بھی صاف نہیں ہوئے ہیں۔ لہٰذا وہ فی الحال اس مسئلے پر روشنی نہ ڈال سکے گا۔

اس نے اسے زہرہ جمال کا پیچھا چھوڑ دینے کا مشورہ دیا تھا۔ لیکن حمید نے اُسے قابل قبول نہیں سمجھا۔ وہ اب بھی فرصت کے اوقات میں زہرہ جمال کی تاک میں رہا کرتا تھا۔ کئی بار کی ملاقات کے بعد اس نے اس کا اندازہ تو لگا ہی لیا تھا کہ زہرہ جمال اپنی زندگی سے مطمئن نہیں ہے۔ اور وہ ہر اس آدمی کی طرف جھک سکتی ہے جس سے اسے تھوڑی سی بھی لفٹ مل جائے۔

رابعہ اس دوران میں بہت زیادہ پریشان رہی تھی اور اسی پریشانی میں اُس نے اپنے باپ کو تار دے دیا تھا جو اسی کے بیان کے مطابق کسی تجارتی کام کی غرض سے ان دنوں لندن میں مقیم تھا اور اب اس کی آمد کی منتظر تھی۔

سیاہ پوش لٹیرا خاموش تھا۔ اخبارات میں خط شائع کرانے کے بعد سے اب تک اس نے کوئی واردات نہیں کی تھی۔ حمید نے.... اس کے متعلق بھی بہت سوچا تھا ایک بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ آخر اس لٹیرے نے رابعہ کا نقلی ہار واپس کرنے کے بعد ہی سے دوسروں کی

چیزیں بھی کیوں واپس کرنی شروع کر دی تھیں۔ اگر وہ اپنے ہی بیان کے مطابق حقیقتاً لٹیرا نہیں تھا تو پہلے ہی سے دوسری چیزوں کی واپسی شروع کر دیتا۔

یہ بڑی عجیب گتھی تھی۔ ظاہر ہے کہ اُسے یقین کامل تھا کہ پولیس اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکتی لہٰذا اگر وہ اصلی ہار پر قابض ہو گیا تھا تو پھر اُسے اس بات کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی تھی کہ وہ اس کی نقل پیش کر کے رابعہ کو دھوکے میں ڈالے اور پھر وہ اتنا احمق نہیں ہو سکتا تھا کہ اپنی اس کاروائی کی بناء پر خود کو پولیس سے محفوظ سمجھ لیتا کیونکہ لوٹی ہوئی چیزیں واپس کر دینے سے وہ قانونی گرفت سے بچ تو سکتا نہیں تھا۔ پھر آخر اس ہڑبونگ کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔

حمید نے اس پر بہت غور کیا لیکن یہ گتھی نہ سلجھی۔ فریدی بھی اس پر روشنی ڈالنے کے لئے تیار نظر نہیں آتا تھا۔ بہر حال حمید کو یقین کامل ہو گیا تھا کہ اس لٹیرے پر قابو پانے کا واحد ذریعہ زہرہ جمال ہو سکتی ہے۔ اُس نے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا تھا کئی بار اس کا تعاقب بھی کر چکا تھا۔ لیکن وہ ہوٹل پام گرود میں اس دن کے بعد سے پھر نہیں دکھائی دی تھی اور نہ حمید کی دانست میں وہ پھر ارجن پورے ہی کی طرف گئی تھی۔ صغیر بابر سے بھی حمید کی چھیڑ چھاڑ جاری تھی اور صغیر اس چھیڑ چھاڑ کی بناء پر کٹکھنا ہو جانے کی حد تک پاگل ہو گیا تھا۔ اس نے حمید کے آفیسروں تک اس کی شکایت پہنچا دی تھی لیکن ان سے ایسا جواب ملا تھا جس نے اُسے اپنی ہی بوٹیاں نوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ بات دراصل یہ تھی کہ پولیس کو سیاہ پوش کی بدولت بڑی شرمندگی اٹھانی پڑی تھی۔ اس لئے وہ کسی کی کچھ نہیں سن رہی تھی۔ سیاہ پوش کو پکڑ لینے کے لئے ہر طرح کے طریقے اختیار کئے جا رہے تھے خواہ جائز ہوں خواہ ناجائز۔

آج بھی حمید زہرہ جمال کے گھر کی طرف جاتے ہوئے راستے میں سوچ رہا تھا کہ آج صغیر بابر سے کس طرح نپٹے گا۔ صغیر بابر کی چڑچڑاہٹ سے لطف اندوز ہونا آج کل اُس کی بہترین تفریح تھی۔ لیکن آج اُسے اس کے گھر پر پہنچ کر مایوسی ہوئی۔ صغیر بابر موجود نہیں تھا۔ زہرہ جمال حمید کو دیکھ کر کھل اٹھی۔ وہ اس دوران میں اس سے بہت زیادہ بے تکلف اور مانوس ہو گئی تھی۔ ”چائے پیئں گے یا کافی۔“ زہرہ نے پوچھا۔

”تاڑی....!“ حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

”خیر مہمانوں کے لئے تو چرس بھی مہیا کی جا سکتی ہے۔“

"مجھے افسوس ہے کہ آپ مجھے بھی مہمان سمجھتی ہیں۔"

"چھوڑیئے! آج میں رمبا اور والز کے ریکارڈ خرید لائی ہوں۔" زہرہ جمال بولی۔

"والز بڑی مشکل چیز ہے۔ اگر آپ کو رمبا ہی آجائے تو بڑی بات سمجھوں گا۔" حمید نے کہا۔ "لیکن سیکھیئے گا کہاں۔"

"یہیں گھر میں، ہمارے پاس گراموفون بھی ہے۔"

"گھر میں....؟" حمید تیزی سے اپنا سر سہلا کر بولا۔ "لیکن بابا صاحب کا کیا بنے گا۔"

"پھر آپ نے بابا صاحب کہا۔" زہرہ جمال تنک کر بولی۔ "انسانیت کے یہ معنی تو نہیں کہ آپ بڑھاپے کا مذاق اڑائیں۔"

"اوہو! آپ تو بگڑ گئیں۔ بھئی میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ نانا فرنویس کا نام سنا ہے آپ نے! لوگ انہیں بچپن میں بھی نانا صاحب کہتے تھے۔ انگریزوں کے بچے بھی بابا ہی کہلاتے ہیں۔"

"آپ اُن کے متعلق غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔" زہرہ بولی۔

"اونہہ ختم بھی کیجئے۔" حمید نے اکتا کر کہا۔ "اگر انہوں نے میرے ساتھ آپ کو رقص کرتے دیکھ لیا تو وہ آپ کو رس ملائی نہیں کھلائیں گے۔"

"جی نہیں! وہ بہت آزاد خیال ہیں۔"

"پھر آخر مجھے کھانے کیوں دوڑتے ہیں۔"

"پولیس والے انہیں پسند نہیں کرتے۔"

"کیا؟" حمید حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر بولا۔

"جی ہاں! اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔" زہرہ جمال ہنس کر بولی۔ "کیوں شریف آدمی پولیس والوں کو پسند نہیں کرتے۔"

"معاف کیجئے گا۔" حمید نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔ "مجھے نہیں معلوم تھا کہ اب صغیر صاحب کا شمار بھی شریف آدمیوں میں ہونے لگا ہے۔"

"پھر آپ نے حملہ کیا۔"

"اوہو معلوم ہوتا ہے آج آپ لڑیں گی۔ میں نے تو صرف ان کی پچھلی زندگی کی طرف ہلکا سا اشارہ کیا تھا۔"

"چلئے بس رہنے دیجئے! کوئی مرد فرشتہ نہیں ہوتا۔ پہلے اپنے گریبان میں منہ ڈالئے۔"

"ٹائی کھولنی پڑے گی۔" حمید نے مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر مغموم لہجے میں کہا اور زہرہ ہنس پڑی۔

"آپ کی باتیں بہت دلچسپ ہوتی ہیں۔ دل بہل جاتا ہے۔ ورنہ میں کبھی آپ سے بات تک نہ کرتی۔"

"میں واقعی بہت بُرا آدمی ہوں۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "اب دیکھئے خواہ مخواہ آپ ہی کے پیچھے لگ گیا ہوں۔ آپ سوچتی ہوں گی شاید....!"

"میں کچھ نہیں سوچتی۔" زہرہ جلدی سے بولی۔ "سوچنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ عموماً بُرے ہی آدمی بُرے خیالات رکھتے ہیں۔"

حمید دل ہی دل میں ہنس پڑا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کلوٹی چوہیا تو مجھ پر اپنی پارسائی کا رعب ڈالنا چاہتی ہے۔ اس نے ایک اچٹتی ہوئی نظر اس کے سلونے چہرے پر ڈالی اور دفعتاً اُسے ہوٹل پام گرود کا واقعہ یاد آگیا۔ کتنا فرق تھا۔ وہ چہرہ اُسے اب تک نہیں بھولا تھا۔ جس پر روج اور لپ سٹک کی گہری تہیں تھیں۔ سیاہ رنگت پر گہری لپ اسٹک! کتنا کریہہ چہرہ تھا۔ اگر حمید شروع ہی سے اس کے پیچھے نہ لگ گیا ہوتا تو اُسے اس حال میں دیکھ کر شائد پہچاننے میں بھی دشواری ہوتی۔ وہ یہی سوچ کر رہ جاتا کہ پھٹیچر طوائف صغیر بابر کی بیوی زہرہ جمال سے بڑی مشابہت رکھتی ہے۔

"کیا سوچنے لگے۔" دفعتاً زہرہ بولی۔ "کیا میری کوئی بات بُری لگی ہے۔"

"اوں.... ہوں.... نہیں تو....!" حمید چونک کر بولا۔ وہ بڑے خواب ناک انداز میں زہرہ جمال کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"خیریت....!" زہرہ ایک شوخ مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"مجھے یاد آرہا ہے کہ شائد میں سرجنٹ حمید ہوں۔"

"بہت دیر میں یاد آیا۔" زہرہ ہنس پڑی۔

"اور مجھے وہ وعدہ بھی یاد آرہا ہے جو میں نے اپنے باپ سے کیا تھا۔"

"کیا وعدہ کیا تھا۔"

"یہی کہ خود میں کبھی باپ بننے کی کوشش نہ کروں گا۔" حمید نے کہا اور بڑے ڈرامائی انداز میں واپس جانے کے لئے مڑا.... سامنے صغیر بابر نظر آیا جو اپنی فرنچ کٹ ڈاڑھی کو مٹھی میں

جکڑے ہوئے حمید کو گھور رہا تھا۔ حمید نے جھک کر اُسے بڑے ادب سے سلام کیا۔

"میں کہتا ہوں آخر تم چاہتے کیا ہو۔" وہ چیخ کر بولا۔

"یہی کہ آپ مجھے اپنا بھتیجا سمجھیں۔" حمید نے نظریں نیچی کر کے شرماتے ہوئے ٹھیٹھ سعادت مندانہ لہجے میں کہا۔

"کیا....؟ تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔ تم کس سے باتیں کر رہے ہو۔"

"چچا سے۔" حمید نے سر ہلا کر مغموم آواز میں کہا۔

"چلے جاؤ یہاں سے۔" صغیر حلق پھاڑ کر چیخا۔

"ڈارلنگ! ڈارلنگ....!" زہرہ آگے بڑھ کر اُس کا شانہ تھپکتی ہوئی بولی۔

"آخر آپ مجھ سے خفا کیوں رہتے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"ابے تو کیا میں تیرا باپ ہوں اچھی زبردستی ہے۔"

"مجھے اس پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہے۔ میں تو بھتیجا ہی بننا چاہتا تھا۔ لیکن اگر آپ بیٹا بنانے پر مصر ہیں تو چلئے یہی سہی۔"

"میں تمہیں گولی مار دوں گا۔"

"ارے ارے.... ڈارلنگ....!" زہرہ اُسے ایک طرف کھینچتی ہوئی بولی۔ "چلئے اپنے کمرے میں۔ حمید صاحب آپ جا سکتے ہیں۔"

حمید نے محسوس کیا کہ زہرہ کے لہجے میں جھلاہٹ تھی جو اس کے خیال کے مطابق قطعی مصنوعی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ زہرہ ایک عمدہ قسم کی اداکارہ بننے کی بھی صلاحیتیں رکھتی ہے۔ زہرہ صغیر کو شائد کسی دوسرے کمرے میں لے گئی تھی۔ حمید وہیں کھڑا رہا۔ کئی منٹ گذر گئے لیکن زہرہ واپس نہ آئی۔ حمید کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی نے بھرے بازار میں اُس کے سر پر چپت مار دی ہو۔ اُسے زہرہ سے اس بات کی توقع نہیں تھی کہ وہ کسی ایسے موقع پر اس سے اتنی سرد مہری سے پیش آئے گی۔ کتنے خشک لہجے میں کہا تھا اُس نے۔ "حمید صاحب آپ جا سکتے ہیں۔"

چنانچہ حمید صاحب نے اپنے جبڑے ڈھیلے چھوڑ دیئے اور منہ لٹکائے ہوئے باہر کی طرف جانے لگے۔

صغیر بابر کسی کمرے میں غرا رہا تھا اور ساتھ ہی زہرہ کی کھنکتی ہوئی سی ہنسی کی آوازیں بھی

آ رہی تھیں۔ شائد وہ اُسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

دفعتاً حمید چلتے چلتے رک گیا۔ ایک کمرے کے کھلے ہوئے دروازے سے اُس کی نظریں اندر کی طرف رینگ رہی تھیں۔ فرش پر ایک سیاہ پتلون ایک سیاہ جیکٹ پڑی تھی۔ انہیں کے قریب سفید دستانے بھی تھے۔ حمید نے اِدھر اُدھر دیکھا اور کمرے میں چلا گیا۔ دستانوں کے نیچے سے کاغذ کا ایک ٹکڑا جھانک رہا تھا۔ حمید نے اُسے چٹکی سے پکڑ کر کھینچ لیا اور دوسرے لمحے میں اُس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی رہ گئیں۔

کاغذ پر تحریر تھا۔

"ان کپڑوں کو جلادو۔"

"وہ مارا۔" اُس نے دل ہی دل میں نعرہ لگایا۔ فریدی کی منطق غلط ہو گئی۔ وہ سوچنے لگا اب بتاؤں گا ایشیا کے عظیم سراغ رساں کو۔ اگر فریدی کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے میں نے زہرہ کا پیچھا چھوڑ دیا ہوتا تو یہ کیس اللہ کو پیارا ہو گیا ہوتا۔

چند ہی منٹوں میں حمید نے ساری کوٹھی سر پر اٹھالی۔

صغیر بابر کی حالت قابل دید تھی۔ آنکھیں سرخ ہو گئیں تھیں۔ منہ سے جھاگ اڑ رہا تھا وہ بڑی دیر سے کچھ کہنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن شائد الفاظ ساتھ نہیں دے رہے تھے۔

"یقین جانئے حمید صاحب۔" زہرہ تھوک نگل کر بولی۔ "ہم لوگ اس کے متعلق کچھ نہیں جانتے.... نہ جانے یہ کس کی حرکت ہے۔"

ٹھیک ہے۔ حمید خشک لہجے میں بولا۔ "بعض حالات میں یہ بھی ہوتا ہے۔"

"بیگم!" صغیر جھٹکے دار آواز میں بولا۔ "سب تمہارا قصور ہے۔ میں تم سے پہلے ہی کہتا تھا یہ آدمی قابل اعتماد نہیں ہے... دوست... میں تنگ آ گیا ہوں تمہاری حماقتوں سے۔"

"اس کا مطلب!" حمید اُسے گھور کر کڑے لہجے میں بولا۔

"مطلب! تم نے یہ سب کیا ہے۔ پھنسانا چاہتے ہو لیکن لونڈے ہو دیکھ لوں گا۔"

"زبان کو لگام دیجئے۔"

"میں گولی مار دوں گا۔" صغیر بابر کا جسم کانپنے لگا تھا۔

زہرہ جمال اُسے پھر کسی طرف گھسیٹ لے گئی۔ لیکن اس بار اُس نے واپسی میں دیر نہیں لگائی۔

"حمید صاحب خدا کے لئے پریشان مت کیجئے۔" زہرہ جمال کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔

"بہت خوب۔" حمید نے تلخ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "آپ بھی یہی کہنا چاہتی ہیں کہ میں نے ہی یہ کپڑے اس تحریر کے ساتھ یہاں ڈال دیئے ہیں.... ہاں ذرا یہ تو فرمایئے کہ میں آپ لوگوں کو پھنسانا کیوں چاہوں گا۔"

"اوہ.... آپ بھی ان کی بات لے بیٹھے۔ غصے میں اُن کی عقل خبط ہو جاتی ہے۔"

"فکر نہیں.... میں ابھی اسے سب کچھ سمجھائے دیتا ہوں۔" صغیر کی کھرکھراتی ہوئی آواز سنائی دی۔ وہ پھر واپس آ گیا تھا۔ لیکن اب اُس کی آنکھوں میں غصے کی بجائے بے بسی کی جھلکیاں نظر آ رہی تھیں۔ وہ بڑبڑاتا رہا۔ "میرا نام صغیر بابر ہے.... سمجھے.... تم جیسے لونڈوں کو اب بھی سبق دے سکتا ہوں۔"

"آپ زبان بند کرتے ہیں یا نہیں۔"

"چلے جاؤ یہاں سے۔" صغیر بابر گرجا۔

"ہونہہ.... ابھی.... ابھی تو میں نے کوتوالی فون کیا ہے۔"

"میں نے بھی فون کیا ہے۔" صغیر بابر حلق کے بل چیخا اور اُسے کھانسی آنے لگی۔

"آپ سے خدا ہی سمجھے گا۔" زہرہ نے بڑے تلخ لہجے میں حمید سے کہا اور صغیر بابر کا شانہ تھپکنے لگی۔

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ اس کی فنکارانہ صلاحیتوں پر دل ہی دل میں عش عش کرتا ہوا سوچ رہا تھا کہ وہ کسی فلم میں ہر طرح کے رول بڑی آسانی سے انجام دے سکتی ہے۔ حمید نے اُسی کمرے کے دروازے پر ایک کرسی ڈال لی اور اس طرح جم گیا جیسے پتھر کا بت ہو اُس سے تھوڑے ہی فاصلے پر زہرہ جمال اور صغیر بابر منہ لٹکائے بیٹھے تھے۔ کبھی کبھی وہ تیکھی نظروں سے حمید کی طرف دیکھتے اور پھر سر جھکا لیتے۔

باہر کوئی ملاقاتی گھنٹی بجا رہا تھا۔ ایک نوکر کارڈ لے کر آیا۔

"بلاؤ.... سیدھے یہیں لاؤ۔" صغیر بابر منہ پھاڑ کر بولا۔

آنے والا فریدی تھا۔ حمید نے دراصل اسی کو فون کیا تھا اور یہ بھی عجیب اتفاق تھا کہ صغیر بابر نے بھی اسی سے حمید کی شکایت کی تھی۔

قبل اس کے حمید کچھ کہتا صغیر بابر خود ہی اپنی جھٹکے دار آواز میں پوری داستان دہرا چلا۔ حمید جب بھی کچھ کہنے کے لئے منہ کھولتا فریدی اُسے اس طرح گھورنے لگتا جیسے آواز نکلتے ہی چانٹا مار دے گا۔۔۔ کسی نہ کسی طرح صغیر بابر کی بات ختم ہوئی اور فریدی اُسے وہاں سے ہٹا لے گیا۔

الجھن

حمید اور زہرہ تنہا رہ گئے۔

"میں،آپ کو ایسا نہیں سمجھتی تھی۔" زہرہ نے شکایت آمیز لہجے میں کہا۔

"اور میں کب آپ کو ایسا سمجھتا تھا۔"

"تو کیا آپ نے اس پر یقین کر لیا ہے۔ میں قسم کھانے کیلئے تیار ہوں کہ وہ کپڑے۔۔۔۔!"

"نہ نہ۔۔۔۔ اس کی کیا ضرورت ہے۔" حمید طنزیہ انداز میں بولا۔ "آپ تو اس کی بھی قسم کھا جائیں گی کہ آپ کو ہوٹل پام گرود کا پتہ بھی نہیں معلوم۔۔۔۔ اور۔۔۔۔ ارجن۔۔۔۔!"

"خدا کے لئے آہستہ۔۔۔۔!" زہرہ اِدھر اُدھر دیکھ کر خوفزدہ آواز میں بولی۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں سانس پھول رہی تھی۔

اتنے میں فریدی آ گیا۔ لیکن اس نے زہرہ کیطرف نظر اٹھا کر دیکھنے کی بھی زحمت گوارا نہ کی۔

"وہ تحریر کہاں ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

حمید نے جیب سے کاغذ کا ٹکڑا نکال کر اُس کی طرف بڑھا دیا۔ فریدی اسے چند لمحے دیکھتا رہا پھر تہہ کر کے جیب میں رکھتا ہوا بولا۔ "چلو۔۔۔۔!"

"کہاں؟" حمید حیرت سے اُس کا منہ دیکھنے لگا۔

فریدی نے اس کا ہاتھ پکڑا اور کھینچتا ہوا دروازے کی طرف لے جانے لگا۔ زہرہ دونوں کو حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

"تو بتاتے کیوں نہیں۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "انہیں اسی طرح چھوڑ جایئے گا۔"

"ہاں بکو مت۔۔۔۔!" فریدی نے کہا اور حمید کی جھنجھلاہٹ بڑھ گئی۔

اس کا دل چاہا کہ اچھل کر فریدی کے کاندھے پر چڑھ جائے۔ گلے سے ٹائی کھول کر اس کے

ہونٹوں میں لگام کی طرح پھنسا دے.... اور "نخ نخ" کرتا ہوا اس قدر دوڑائے کہ فریدی سچ مچ گھوڑے کی طرح ہنہنانے لگے۔

باہر نکل کر فریدی اسے کیڈلاک میں دھکا دیتا ہوا بولا۔ "تشریف رکھئے۔"

کیڈیلاک چل پڑی۔ حمید آپے سے باہر ہو رہا تھا۔ شاید اس وقت اس کی بھی وہی کیفیت تھی جو اس سے کچھ دیر قبل صغیر بابر کی تھی۔ کہنے کے لئے ذہن میں بہت کچھ گونج رہا تھا لیکن جھنجھلاہٹ گلا گھونٹ رہی تھی۔ زبان پکڑ رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ فریدی نے ایسے معاملے کو اس طرح لاپرواہی سے کیوں نظرانداز کیا۔ وہ صغیر بابر سے اپنی توہین کا بدلہ بھی تو نہیں لے سکا تھا۔ اپنی دانست میں وہ زہرہ جمال کو ایسے نقطے پر کھینچ لایا تھا جہاں وہ سب کچھ اگل دیتی لیکن فریدی نے سب چوپٹ کر دیا۔ اسی جھنجھلاہٹ کے دوران میں حمید کے ذہن میں ایک نیا خیال ابھر آیا۔ کہیں فریدی نے حسد میں تو ایسا نہیں کیا؟ جب اُس نے دیکھا کہ حمید کامیابی سے اس قدر قریب ہو گیا ہے تو اُس نے بھیڑ مار دی.... ضرور یہی بات ہو سکتی ہے۔ یہ نیا خیال حمید کے ذہن میں جڑ پکڑنے لگا اور اُس نے بڑی کراہت سے فریدی کی طرف سے منہ پھیر لیا۔

فریدی اس وقت ضرورت سے زیادہ خوش مزاج نظر آرہا تھا۔ اس نے دو ایک بار حمید پر اچٹتی ہوئی نظریں ڈالیں اور جوش ملیح آبادی کے لہجے میں گنگنانے لگا۔ "اے جانِ من.... جانانِ من۔"

اس پر حمید کی سلگتی ہوئی ہڈیاں باقاعدہ لَو دے اٹھیں۔ لیکن وہ پھر بھی کچھ نہ بولا۔

"اس وقت تم نے وہ کام کیا ہے کہ تمہاری پیٹھ جوتے سے ٹھونکنے کو دل چاہتا ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"بس بس خاموش رہئے۔" حمید ابل پڑا۔

"موسم تو خاموش رہنے کا نہیں۔" فریدی کو ہنسی آگئی۔

"فریدی صاحب میں لونڈا نہیں ہوں۔"

"اچھا چلو یہ ایک نئی بات معلوم ہوئی۔"

"مجھے اتار دیجئے۔" حمید کا غصہ تیز ہو گیا۔

"بری بات! ماں مارے گی۔" فریدی نے اس طرح کا منہ بنا کر کہا جیسے وہ کسی چھ ماہ کے بچے کو چمکار رہا ہو۔

"خدا کی قسم اچھا نہ ہو گا۔"

"شٹ اپ! تمہیں ابھی اس حرکت پر افسوس کرنا پڑے گا۔"

"ضرور ضرور....!" حمید طنزیہ لہجے میں بولا۔ "مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ کو اس بار سراغ رسانی سے توبہ نہ کرنی پڑے۔"

"بہت اچھے۔" فریدی نے قہقہہ لگایا۔

"ضروری نہیں کہ آپ ہر معاملے میں عقلمند ہی ثابت ہوں۔"

"میں آج تک کسی معاملے میں عقل مند نہیں ثابت ہوا۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

حمید تھوڑی دیر خاموش رہا پھر یکلخت برس پڑا۔

"میں ہرگز یہ نہیں چاہتا تھا کہ آپ اس کامیابی کا پورا پورا ذمہ دار مجھے ظاہر کریں۔ میں نے کبھی اکیلے اپنے لئے کچھ نہیں کیا۔ اپنا الو سیدھا کرنے کا ایک یہی طریقہ تو نہیں ہو سکتا تھا۔ جو آپ نے اس وقت اختیار کیا....؟"

"کیا بکتا ہے۔" فریدی ناک سکوڑ کر اور آنکھیں بھینچ کر بولا۔

"بک نہیں رہا بلکہ فرما رہا ہوں۔" حمید نے گردن اکڑا کر کہا۔

"اچھا فرما چکے۔"

"جناب۔"

"بہتر ہے ابھی تھوڑی ہی دیر میں آپ کی آنکھوں کا اپریشن ہو جائے گا۔"

"مجھے اب اس معاملے سے کوئی دلچسپی نہیں۔" حمید اپنے پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔

"چلو مجھے اس کا بھی افسوس نہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "تم نے ابھی تک اس میں کام ہی کون سا کیا ہے۔"

"کیا....!" حمید حلق پھاڑ کر چیخا۔ "میں نے کچھ کام ہی نہیں کیا۔"

"قطعی نہیں! اب تک وقت برباد کرتے رہے ہو۔"

"میں ڈیش بورڈ سے اپنا سر ٹکرا دوں گا۔"

"خبردار! چانٹا مار دوں گا۔ ڈیش بورڈ میں شیشے ہی شیشے ہیں۔" فریدی نے اتنی سنجیدگی سے کہا کہ حمید جھلاہٹ کے باوجود بھی مسکرا پڑا۔ بہرحال اب اُسے بھی یہ بات سوچنی ہی پڑی تھی کہ

آخر فریدی نے ایسا رویہ کیوں اختیار کیا ہے وہ اُن آدمیوں میں سے نہیں جو خواہ کسی قسم کی شرمندگی مول لیتے ہیں۔ پھر اُسے زہرہ جمال کی سراسیمگی یاد آگئی۔ ہوٹل پام گرود اور ارجن پورے کے حوالے پر وہ بُری طرح خائف نظر آنے لگی تھی۔

"کیا سوچنے لگے۔" فریدی نے ڈانٹ کر پوچھا۔

"آپ سے مطلب....!" حمید پھر جھلا گیا۔

"اب میں ہی پھینک دوں گا تمہیں نیچے۔"

"خواہ مخواہ بور کر رہے ہیں۔" حمید بڑبڑانے لگا۔

"حمید اگر تم میری بیوی ہوتے تو ہنٹروں سے کھال گرا دیتا۔"

"اگر آپ ہنٹر والی ہوتے تو میں آپ سے شادی کر لیتا۔"

"اور پھر اگر میں ایک ٹانگ بھی رکھ دیتا تو تمہاری پسلیاں چور ہو جاتیں۔"

حمید کچھ نہ بولا وہ بات کرنے کے موڈ ہی میں نہ تھا۔

کیڈی کولتار کی چکنی سڑکوں پر پھسلتی رہی۔ تھوڑی دیر بعد حمید نے محسوس کیا کہ وہ شہر کے باہر جا رہے ہیں۔ اونچی اونچی عمارتیں بہت پیچھے رہ گئی تھیں اور حدِ نظر تک میدان یا کھیت نظر آرہے تھے۔ ڈوبتے ہوئے سورج کی زرد کرنیں درختوں کی چوٹیوں پر کپکپا رہی تھیں۔ ہڈیوں میں اتر جانیوالی سرد ہوا نے حمید کے کان سہلانے شروع کر دیئے تھے۔ اس نے کوٹ کا کالر کھڑا کر لیا۔

"تمہارا السٹر لیتا آیا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "پچھلی سیٹ پر پڑا ہے۔"

"لیکن ہم جا کہاں رہے ہیں۔"

"سعید آباد....!"

"کیوں....؟"

"آج کل درد کی دوا وہیں ملتی ہے۔"

دفعتاً حمید کو وہ تار یاد آگیا جو فریدی نے کچھ دن پہلے سعید آباد ہی کے کسی آدمی کو دیا تھا اور اس میں ترمذی خاندان کے ہار کا تذکرہ تھا۔ حمید کی الجھن بڑھ گئی۔ لیکن وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ فریدی اُسے ابھی کچھ نہ بتائے گا۔ وہ فریدی کی اس بُری عادت سے تنگ آگیا تھا۔ لوگوں کو اچانک حیرت زدہ کر دینے.... کی عادت۔ آج تک یہ بات اُس کی سمجھ ہی میں نہ آسکی تھی کہ یہ عادت

فریدی کے کردار کے کسی جزو کی پختگی تھی یا کوئی کمزوری۔ بہر حال یہ اُس کی بہت پرانی عادت تھی۔ کسی کیس کے دوران میں وہ اُس کے متعلق کھل کر کبھی کوئی بات نہیں کہتا تھا۔ لوگوں کو دھوکے میں ڈال کر اچانک کسی راز سے پردہ اٹھانے میں شاید اُسے کسی قسم کی لذت ہی محسوس ہوتی تھی۔ اکثر اس کے آفیسر تک اس کی اس عادت پر بُری طرح جھنجھلا جاتے تھے۔ لیکن چونکہ کام کا آدمی تھا اس لئے زبان سے کچھ نہیں کہتے تھے۔ وہ اس کی افتادِ طبع سے بھی تو واقف تھے۔ ذرا کوئی بات مرضی کے خلاف ہوئی استعفیٰ پیش۔

حمید بیٹھا دل ہی دل میں جھنجھلاتا رہا۔

"حمید صاحب توقع ہے کہ آج ہم اُس مسخرے بھیڑیئے سے ٹکرا ہی جائیں۔" فریدی نے کہا۔

"توقع کی وجہ....!"

"فی الحال بلاوجہ ہی سمجھو۔"

"تو پھر یہی بتانے کی کیا ضرورت تھی۔ بس اب خاموش رہئے۔ میں بیس کا پہاڑا یاد کر رہا ہوں۔"

سردی بڑھتی جا رہی تھی۔ حمید نے پچھلی سیٹ سے السٹر اٹھا کر کاندھے پر ڈال لیا۔ سورج غروب ہو چکا تھا اور اب افق پر بکھرے ہوئے شوخ رنگوں پر بھی سیاہی غالب آتی جا رہی تھی۔ جوار کے لہلہاتے ہوئے کھیتوں پر کہرے کی چادر مسلط ہو گئی تھی۔ اب بھی پرندے شور مچا رہے تھے مگر ان کی آوازیں کہیں دور سے آتی معلوم ہو رہی تھیں۔

کچھ دیر بعد کیڈی کی ہیڈ لائیٹس روشن ہو گئیں۔ اندھیرے کے ساتھ ہی ساتھ حمید کی الجھن بھی بڑھتی جا رہی تھی۔

"وہ اُس دن آپ نے تار کسے دیا تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"گڈ! اب تم نے ایک کام کی بات پوچھی ہے۔" فریدی نے کہا۔ "ہم وہیں چل رہے ہیں۔"

"میں اس کا نام بھول گیا۔"

"سعید الظفر....!" فریدی گیئر بدلتا ہوا بولا۔ کیڈی کی رفتار تیز ہو گئی۔ ڈیش بورڈ پر رفتار کی سوئی ساٹھ اور ستر کے درمیان حرکت کر رہی تھی۔

"اس سے اور رابعہ کے ہار سے کیا تعلق۔"

"گھبراؤ نہیں! توقع ہے کہ تعلق بھی جلد ہی ظاہر ہو جائے گا۔ بہر حال رابعہ بھی تمہیں

وہیں ملے گی۔"

"کہاں؟"

"سعید الظفر کے یہاں۔" فریدی نے کہا۔

اچانک حمید کو ایک بات یاد آگئی۔ فریدی نے اس سے رابعہ کے چاہنے والوں کی فہرست تیار کرنی تھی اور یہ بھی معلوم کرنا چاہا تھا کہ خود رابعہ کس طرف جھک رہی ہے۔ وہ خود تو دوسری بات معلوم کرنے سے قاصر رہا۔ لیکن اب سوچ رہا تھا کہ شاید سعید الظفر وہی ہے جس کی طرف رابعہ بھی مائل ہے۔ شائد فریدی نے خود ہی اس کا پتہ لگالیا لیکن آخر اس سے اور ہار والے معاملے سے کیا تعلق۔

"لیکن رابعہ وہاں کیوں ہو گی۔" حمید نے پوچھا۔

"اللہ کی مرضی۔" فریدی حلق کے بل بولا۔

"اُلو سال میں کتنے انڈے دیتا ہے۔" حمید بھنا گیا۔

"جتنے اللہ دلوا دیتا ہے۔"

"اللہ آپ کی روح کیوں نہیں قبض کر لیتا۔" حمید چیخ کر بولا۔

"اب ہمارا پلان یہ ہے۔" فریدی اُسکی بات پر دھیان نہ دیتا ہوا سنجیدگی سے بولا۔ "ہمیں ایک عمارت میں غیر قانونی طور پر داخل ہونا پڑے گا۔ ہمارے چہروں پر گیس ماسک ہوں گے اور...!"

"دم پر نمدا بندھا ہوا ہو گا۔" حمید اس کی بات کاٹ کر بولا۔ جملے کے بے ساختگی پر فریدی کو ہنسی آگئی۔

"آخر کھانے کیوں دوڑ رہے ہو۔" اُس نے کہا۔

"آپ مجھے اُلو کیوں بنا رہے ہیں۔"

"بیٹے خاں! قبل از وقت کچھ نہیں بتاؤں گا۔ کیونکہ اسی کیس میں ایک جگہ دھوکہ کھا کر شرمندگی مول لے چکا ہوں۔ یہ نہ بھولو کہ ہم بھی معمے کو حل کرنے کے لئے امکانی قیاسات کا سہارا لیتے ہیں جو غلط بھی ہو سکتے ہیں۔" فریدی نے اپنی گھڑی کی طرف دیکھا اور پھر کہنے لگا۔ "اس کیس میں میں نے کتنی قلابازیں کھائی ہیں۔ پہلے تمہیں زہرہ کے پیچھے لگایا پھر اس سے ہٹا کر رابعہ کی طرف نظر رکھنے کی ہدایت کی اور پھر تمہیں یہ بھی یاد ہو گا میں نے کہا تھا مجھے اس لٹیرے سے

کوئی دلچسپی نہیں لیکن اب میں بھی دلچسپی لینے پر مجبور ہو گیا ہوں۔"

حمید خاموشی سے سنتا رہا۔ اتنی دیر میں اس کا دماغ کافی حد تک ٹھنڈا ہو چکا تھا۔

"کیا سعید الظفر وہی آدمی ہے جس کی طرف رابعہ خود مائل ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں! اگر میرا قیاس غلط نہیں تو تم بہت جلد ہی بات سے واقف ہو جاؤ گے۔"

"ابھی آپ گیس ماسک کا تذکرہ کر رہے تھے۔ کیا سنجیدگی سے؟"

"ہاں بھئی! ہمیں اس لٹیرے سے بھی تو بھڑنا ہے۔ کیا تم بھول گئے کہ اُس نے رابعہ کے نوکروں کو سلانے کے لئے سنتھیلک گیس استعمال کی تھی۔ اگر ہم نے گیس ماسک نہ استعمال کئے تو ممکن ہے کہ ہمیں بھی گہری نیند کا لطف اٹھانا پڑے۔ کافی ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ وہ بڑا پھرتیلا ہے۔ اگر ہم ایک لحظہ کے لئے بھی چوک گئے تو اس کا ہاتھ لگنا محال ہو جائے گا۔"

"لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ اس نے وہ گیس استعمال کس طرح کی ہو گی۔" حمید نے کہا۔

"نہایت آسانی سے۔" فریدی اپنی گھڑی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "اُسے شیشے کی کھوکھلی گیندوں میں محفوظ کیا جا سکتا ہے۔ اور شیشے کی گیندیں جیب میں ڈال کر بڑی آسانی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جائی جا سکتی ہیں۔"

"تو آپ کو یقین ہے کہ اس وقت اُس سے مڈبھیڑ ہو جائے گی۔"

"حالات تو ایسے ہی ہیں۔"

"آپ اُس کی قیام گاہ سے واقف ہو گئے ہیں۔"

"اچھی طرح! لیکن یہ اُس کی قیام گاہ نہیں ہے جس میں ہمیں اس وقت داخل ہونا ہے۔"

"پھر.....!"

"سعید الظفر کے گھر میں ہمیں چوروں کی طرح داخل ہونا پڑے گا۔"

حمید اس پر پھر کوئی سوال کرنا چاہتا تھا لیکن خاموش ہی رہا۔ فریدی اُس کے کسی ایسے سوال کا ...اب ہرگز نہ دیتا جس سے ان باتوں پر روشنی پڑتی جنہیں وہ فی الحال ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا اور ...راب وہ ویسے بھی نہیں بولنا چاہتا تھا کیونکہ کھلے ہوئے منہ کے ذریعہ سردی کی ٹھنڈی لہر حلق کے نیچے بھی اُتر سکتی تھی اور چہرہ تو پہلے ہی سن ہو چکا تھا اس نے کنکھیوں سے فریدی کی طرف ...یکھا جس میں کوئی ظاہری تبدیلی نظر نہیں آ رہی تھی وہ اتنے سکون کے ساتھ سرد ہوا کے

تھپیڑوں کا مقابلہ کر رہا تھا جیسے وہ موسم بہار کے خوشگوار اور مہکتے ہوئے جھونکے ہوں اس کا السٹر اب بھی پچھلی نشست پر پڑا ہوا تھا۔

ساڑھے سات بجے وہ سعید آباد میں داخل ہو گئے۔ سب سے پہلے انہوں نے ایک ریستوران میں کافی کے کئی کپ پئے۔ حمید کھانے کیلئے بھی کہتا رہا۔ لیکن فریدی نے اس کی اجازت نہ دی۔

''اگر تم نے کھانے پر غصہ اتارا تو کسی کام کے نہ رہ جاؤ گے۔''اُس کا مختصر سا ریمارک تھا۔

ہار کا راز

فریدی نے کیڈی ایک پرائیویٹ گیرج میں کھڑی کر دی اور دونوں پیدل چل پڑے۔ فریدی کے ساتھ ایک سوٹ کیس تھا جس میں شائد گیس ماسک تھے۔ انہوں نے اپنے السٹروں کے کالر کھڑے کر رکھے تھے اور ہیٹ کے گوشے آگے کی طرف اس طرح جھکا رکھے تھے کہ چہرے نہیں نظر آ رہے تھے۔

''آپ کی باتوں سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ آپ کو کامیابی کا یقین ہے۔'' حمید نے کہا۔

''یقین نہ ہوتا تو آتا ہی کیوں۔''

''لیکن لٹیرے کی شخصیت کے متعلق ابھی شبہ ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''میں جانتا تھا کہ تم کھائے پئے بغیر عقلمندی کی بات ہرگز نہ کرو گے۔''

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر حمید بولا۔

''رابعہ بھی وہاں ہو گی۔ خدا کرے اُس نے کھلے پنجوں والے سینڈل نہ پہن رکھے ہوں۔''

''فکر نہ کرو۔ وہ آسانی سے ٹوٹ جانے والے جوتے پہن کر ہرگز نہ آئی ہو گی۔''

حمید نے پھر کچھ نہ کہا۔

وہ چلتے رہے۔ حمید کے ذہن میں ہیجان برپا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ زہرہ جمال اور صغیر بابر کو فریدی نے جان بوجھ کر نظر انداز کیا تھا یا وہ حقیقتاً بے گناہ تھے اور کوئی شخص انہیں اس معاملے میں خواہ مخواہ الجھا کر اپنا الو سیدھا کرنا چاہتا تھا۔ مگر زہرہ جمال کی مشتبہ نقل و حرکت ہوٹل بام گرود کے حوالے پر اس کی سراسیمگی۔ بہرحال اتنی بات تو اس کی سمجھ میں آ ہی گئی تھ

کہ معاملہ خواہ کچھ ہو صغیر بابر اس سے ... ٹ یہی ظاہر کر رہی
تھی.... اگر فریدی عین موقعے پر دخ...
سے کچھ بتا دیتی کہ کہیں اس کی اطلاع ص...
کون سا بڑا تیر مارتے ہیں۔

”تم پھر خاموش ہو گئے۔“ فریدی نے کہا۔ ”چہکتے پ...
ہے تو تم لڑک ہو جاتے ہو۔“

”میں مرغی ہوں۔“ حمید جھنجھلا کر بولا۔

”نہیں بلکہ چوزے۔“ فریدی نے کہا۔ ”آخر تم پر جھلاہٹ کیوں سوار ہے۔ دماغ ٹھنڈا رکھو فرزند ورنہ کوئی حماقت کر بیٹھو گے۔“

”شاندار ہم اپنے شہر کی طرف پیدل واپس جا رہے ہیں۔“ حمید بولا۔

”آج کا اخبار پڑھا تھا تم نے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”نہیں.... جس دن دیر میں سو کر اٹھتا ہوں اخبار رہ ہی جاتا ہے۔“

بہر حال آج اس لٹیرے کے خط پر بڑا شاندار تبصرہ شائع ہوا ہے۔ مبصر نے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس لٹیرے نے ترمذی خاندان کو دھوکا دیا ہے۔ اصلی ہار شروع ہی سے اس کے پاس رہا ہے اس نے اس کی نقل ترمذی خاندان والوں کو واپس کی تھی۔ دوسروں کی چیزیں واپس کرنے کا مطلب یہ ہے کہ لوگ اسے جھوٹا نہ سمجھیں اور وہ اس ہار میں لگے ہوئے تاریخی ہیرے کو آسانی سے ہضم کر جائے۔ مبصر نے یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ دو ہی چار دنوں میں وہ لٹیرا کسی اخبار کے ذریعے ہار کی جستجو کے سلسلے میں اپنی ناکامی کا اعتراف کر لے گا اور اس طرح معاملہ ختم ہو جائے گا۔“

”آپ کیا کیا خیال ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

”یہی خیال ہے لیکن میرے ذہن میں واقعے کی دوسری شکل ہے۔“

”یعنی....!“

”ابھی کچھ ہی دیر بعد وہ شکل میرے ذہن سے باہر آ جائے گی۔“ فریدی نے لاپروائی سے کہا اور حمید پھر جھنجھلا گیا۔ لیکن وہ سوچنے لگا کہ جھنجھلانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اس معرکے سے پہلے

اگر ذہن کو ٹھنڈا، رکھا جائے تو بہتر ہے۔ مگر آخر معرکے کی نوعیت کیا ہوگی۔

"حمید بولا۔ "کہیں جھونکنے سے پہلے یہ تو بتا دیجئے کہ مجھے کرنا کیا ہوگا۔"

کھنا پڑے گا کہ وہ نکل کر جانے نہ پائے اور شاید تھوڑی سی جمناسٹک

میری مرتب کردہ اسکیم فیل ہوگئی تو ہمیں ایک پائپ کے

حمید آہستہ سے بولا۔ "اس وقت تو ہاتھوں میں چپک کر رہ جائے گا۔"

پ ہو. یرا زیادہ ہوشیار ثابت ہوا تو چڑھنا ہی پڑے گا۔"

"آخر آپ کی اسکیم کیا تھی۔"

"نہیں مانو گے۔ خیر سنو۔ آج وہ نو بجے سعید الظفر سے ملنے کے لئے آرہا ہے اور اسی نے رابعہ کو بھی بلوایا ہے۔ وہ ان سے ہار کے متعلق کوئی گفتگو کرے گا۔ سعید الظفر کو اس نے لکھا تھا کہ اگر اس معاملات کے متعلق پولیس کو معلوم ہوا اس نے پولیس سے ساز باز کرنے کی کوشش کی تو نتائج اچھے نہیں ہوں گے۔ سعید الظفر نے مجھے مطلع کر دیا۔ لیکن رابعہ نے سانس تک نہ لی۔"

"پھر آپ کو رابعہ کی آمد کے متعلق کیسے معلوم ہوا۔" حمید نے پوچھا۔

"سعید الظفر ہی سے معلوم ہوا۔"

"آخر یہ سعید الظفر ہے کون؟ اس کا اس معاملے میں کیا تعلق؟"

"ابھی یہ نہ پوچھو۔ مجھے اب بھی کچھ شبہات ہیں۔"

"نہیں پوچھوں گا۔ اس واقعے کے بعد بھی نہ پوچھوں گا۔ چلئے اپنی اسکیم بیان کیجئے۔"

"سعید الظفر کے مکان میں ایک چور دروازہ ہے۔ لٹیرا اُسی کے ذریعے عمارت میں داخل ہو کر سعید الظفر کے مکان کے باہر نو بجے اس کا انتظار کرے گا۔ میں نے اسے تاکید کر دی ہے کہ وہ واپسی میں چور دروازہ اندر سے بند نہ کرے لیکن اگر اس لٹیرے نے خود ہی بند کر دیا تو مجبوراً ہمیں پائپ کا سہارا لینا پڑے گا.... فکر نہ کرو اندھیری رات ہے۔"

"اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں۔"

"فرزند من! وہ لٹیرا بڑا گھاگ ہے۔ اس نے خط میں یہ بھی لکھا ہے کہ وہ اپنا پورا پورا اطمینان کئے بغیر عمارت میں داخل نہ ہوگا۔"

''یعنی.....!''

''اندر رابعہ اور سعید کے علاوہ کوئی اور تو موجود نہیں۔ باہر کے سارے دروازوں کے متعلق پہلے ہی اطمینان کر لے گا کہ وہ اندر سے مقفل ہیں یا نہیں۔ اس نے یہ بھی لکھا تھا کہ اگر سعید نے پولیس کی مدد لی تو وہ پولیس کے ہاتھ تو لگنے سے رہا البتہ بعد کو سعید سے سمجھ لے گا۔''

''یہ ماننا پڑے گا جناب کہ ہے بڑا بے جگر آدمی۔'' حمید نے کہا۔

وہ دونوں نیم تاریک گلیوں سے گذر رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر کھلی جگہ میں نکل آئے۔ ان کے سامنے ایک سڑک تھی اور سڑک کے پار چند بڑی عمارتیں نظر آ رہی تھیں جو ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر تھیں۔ وہ سڑک کے کنارے کنارے مشرق کی طرف چلنے لگے۔ چاروں طرف اندھیرے اور سناٹے کا راج تھا۔ رات کہر آلود تھی۔ سڑک کے سامنے والی عمارتوں کی روشنیاں کہر کی وجہ سے دھندلی نظر آ رہی تھیں۔ اچانک فریدی داہنی طرف مڑا۔ حمید نے بھی اس کی تقلید کی.... اور پھر وہ ایک لمبا چکر کاٹ کر انہیں عمارتوں کی پشت پر پہنچ گئے جو انہیں گلی سے نکلتے ہی دکھائی دی تھی۔

یہ جگہ ایسی نہیں تھی کہ کوئی بے احتیاطی سے چل سکتا۔ چاروں طرف جھاڑیوں کے سلسلے بکھرے ہوئے تھے۔ حمید نے ٹارچ نکالنی چاہی لیکن فریدی نے روک دیا۔

''چپ چاپ میرے پیچھے چلے آؤ۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔ کچھ دور چلنے کے بعد فریدی نے حمید کا ہاتھ دبا دیا۔ ایک عمارت کے نیچے کسی آدمی کا دھندلا اور متحرک سایہ نظر آ رہا تھا۔ دونوں جھاڑیوں میں بیٹھ گئے۔

''وہ غالباً سعید ہے۔'' فریدی نے آہستہ سے کہا۔ ''یہاں بیٹھنا بھی ٹھیک نہیں۔ وہ ٹوٹی ہوئی دیوار دیکھ رہے ہو ہمیں وہاں تک پہنچنا ہے۔''

''سعید کی نظر ہم پر پڑ سکتی ہے۔'' حمید بولا۔

''وہ جانتا ہے۔ لیکن ہمیں اُس لٹیرے سے چھپنا ہے۔ ہم سینے کے بل رینگتے ہوئے وہاں بہ آسانی پہنچ سکتے ہیں۔ چلو۔''

''یہاں سانپ بھی ہو سکتے ہیں۔'' حمید نے کہا۔

''یہ مت بھولو کہ تمہارے ساتھ ایک اژدھا بھی ہے۔'' فریدی نے کہا اور سوٹ کیس کو

دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر کہنیوں کے بل زمین پر کھسکنے لگا۔

چند لمحوں کی جدوجہد کے بعد وہ ٹوٹی ہوئی دیوار کی اوٹ میں پہنچ گئے۔

سایہ عمارت کے نیچے ٹہلتا رہا۔ فریدی نے اپنی ریڈیم ڈائل والی گھڑی کی طرف دیکھا۔ نو بجنے میں صرف پانچ منٹ رہ گئے تھے۔ اس نے سوٹ کیس کھول کر گیس ماسک نکالے۔ ایک خود پہن لیا اور دوسرا حمید کے چہرے پر چڑھا دیا۔ پھر انہوں نے لیٹے ہی لیٹے پٹیاں بھی کس لیں۔ ان سے تھوڑے ہی فاصلے پر کٹی ہوئی جھاڑیوں کا ایک خشک ڈھیر پڑا تھا۔ فریدی نے اُسے سمیٹ سمیٹ کر اپنے اور حمید کے اوپر پھیلا لیا۔

''ارے! ارے! یہ کیا کر رہے ہیں۔'' حمید بڑبڑایا۔

''چپ چاپ پڑے رہو۔ وہ اپنا اطمینان کرنے ادھر ضرور آئے گا۔'' فریدی بولا۔

اُن کے ایک طرف دیوار سے نکلی ہوئی اینٹوں کا ڈھیر تھا اور دوسری طرف سے وہ خشک گھاس کے ڈھیر میں چھپ گئے تھے۔ ان کے چہروں پر گیس ماسک پہلے ہی سے تھے۔ اس لئے سانس لینے میں کوئی دشواری نہیں محسوس ہو رہی تھی۔ چند لمحوں بعد حمید نے محسوس کیا کہ گھاس کے ڈھیر پر ٹارچ کی روشنی پڑ رہی ہے پھر پہلے جیسا اندھیرا پھیل گیا۔

انہوں نے دروازہ بند ہونے کی آواز سنی۔

چند لمحے رک کر فریدی نے سر ابھارا اور دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''وہ کون۔''

پھر حمید نے اپنے سر پر ایک کتے کو بھونکتے سنا۔ اگر فریدی نے اس کا ہاتھ نہ دبا دیا ہوتا تو وہ اچھل ہی پڑا تھا۔ پھر ساتھ ہی یہ بات بھی سمجھ میں آگئی کہ یہ کتا نہیں بلکہ خود فریدی ہی تھا۔ اب جو حمید پر ہنسی کا دورہ پڑا ہے تو مصیبت ہی آگئی۔ لیکن اُس نے آواز نہ نکلنے دی۔ فریدی برابر بھونکے جا رہا تھا۔ حمید کو اس کی اس صلاحیت کا علم آج ہی ہوا تھا۔ بالکل کتے کی آواز تھی، سر مو فرق نہیں تھا۔ وہ نزدیک و دور کے کچھ اور کتوں کی بھی آوازیں سن رہا تھا۔ جو جواباً بھونکنے لگے تھے۔ حمید نے پھر دروازہ بند ہونے کی آواز سنی۔

فریدی بھونکتا ہی رہا۔ چند لمحے گذر گئے۔ فریدی خاموش ہو کر حمید کی طرف پلٹا۔

''یہ کیا حرکت تھی۔'' حمید نے پوچھا۔

''بھئی بڑا چالاک ہے۔ اُس نے باہر ہی کھڑے کھڑے آواز کے ساتھ دروازہ بند کیا تھا کہ اگر

کوئی قرب و جوار میں ہو تو یہ سمجھ کر باہر آئے کہ وہ اندر چلے گئے۔ لہٰذا میں نے جیسے ہی سر ابھارا اُس کی نظر پڑ گئی۔ اگر میں کتے کی طرح بھونکنے نہ لگتا تو وہ فوراً ہی ٹارچ روشن کر لیتا۔

''تو کیا ہوتا۔'' حمید نے کہا۔ ''اگر باہر ہی اُسے پکڑ لیتے تو کون سا فرق پڑتا۔''

''وہ لذت نہ ملتی جو دوسری صورت میں نصیب ہوگی۔'' فریدی نے کہا ''آؤ.... ہوشیار رہنا۔ وہ چھلاوہ ہے۔''

وہ دونوں دروازے کے قریب آئے۔

''دیکھا تم نے۔'' فریدی حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ ''دروازہ بھی اس نے بند کیا ہے اب اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں رہ گیا کہ اس پائپ کے سہارے اوپر جائیں۔''

پائپ قریب ہی تھا۔ جو شائد چھت پر کا پانی نکالنے کے لئے لگایا گیا تھا۔ فریدی نے جوتے اتار کر جیب میں ٹھونسے اور پائپ پر چڑھنے لگا۔ اُس کے پیچھے حمید بھی تھا جو شائد اس موقعے پر تو ضرور ہی اپنے مقدر کو گالیاں دے رہا ہوگا۔

اوپر پہنچ کر فریدی تو جوتے پہن رہا تھا اور حمید اپنے دونوں ہاتھ اس طرح رگڑ رہا تھا جیسے اُسے یقین ہی نہ ہو کہ وہ ہاتھ ہی ہیں۔ شائد ٹھنڈے لوہے کی رگڑ سے ہتھیلیوں کا خون تک منجمد ہو گیا تھا۔

''جوتے پہنو....!'' فریدی نے کہا۔

''شاید فیلٹ نیچے ہی رہ گیا۔'' حمید بولا۔

''جلدی کرو یار! یہ مذاق کا وقت نہیں۔''

تھوڑی دیر بعد وہ ایک دیوار کے طاق پر پیر رکھ کر نچلی چھت پر اُتر رہے تھے ان کے کریپ سول جوتوں سے ذرہ برابر بھی آواز نہیں ہو رہی تھی۔ فریدی نے شائد یہ عمارت پہلے ہی سے دیکھ رکھی تھی اس لئے گہرا اندھیرا ہونے کے باوجود بھی وہ نہایت آسانی سے آگے بڑھ رہا تھا۔

نیچے پہنچ کر وہ ایک کمرے کے قریب سے گذر رہے تھے کہ انہیں رک جانا پڑا.... دروازہ کھلا ہوا تھا اور اندر کی روشنی باہر برآمدے کے ایک حصے پر پڑ رہی تھی۔ اندر سے کسی کے بولنے کی آواز آ رہی تھی۔ انہوں نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا۔ رابعہ اور سعید الظفر کرسیوں پر بیٹھے تھے اور ان کے سامنے وہی سیاہ پوش لٹیرا ایک کرسی پر پیر رکھے کھڑا تھا۔

لٹیرا کہہ رہا تھا۔ میں سب کچھ جانتا ہوں۔ اُس ہار کی پوری ہسٹری مجھے معلوم ہے۔ یہ کہہ کر شائد وہ اپنے جملوں کا اثر اُن دونوں کے چہروں پر دیکھنے کے لئے رک گیا تھا۔

حمید نے اُسے پہلی بار دیکھا تھا۔ اور ابھی تک اُس کے متعلق جو کچھ بھی سنا تھا وہ غلط نہیں ثابت ہوا تھا۔ وہ حقیقتاً سر سے پیر تک سیاہ تھا اور اُس کے چہرے کی سیاہی کپڑوں کی سیاہی سے مختلف نہیں تھی۔ چہرے پر نقاب بھی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ گفتگو کرتے وقت اس کے ہونٹ اس طرح ہلتے تھے جیسے سب کے ہلتے ہیں۔ آنکھوں کے قریب بھی کوئی ایسی بات نظر نہیں آرہی تھی جس کی بناء پر یہ سمجھ لیا جاتا کہ وہ اپنا چہرہ سیاہ نقاب میں چھپائے ہوئے ہے۔

کچھ دیر خاموش رہ کر وہ پھر بولا۔ "میرے پاس اس کا واضح ثبوت موجود ہے کہ اصلی ہار محترمہ رابعہ کے والد ذکی ترمذی صاحب نے غائب کیا تھا۔"

"یہ غلط ہے۔" رابعہ چلا کر بولی۔ "ڈیڈی! ہرگز ایسا نہیں کر سکتے۔ میں اُن کے متعلق یہ سوچ بھی نہیں سکتی۔"

"آپ یقین کریں یا نہ کریں۔ لیکن میں سعید الظفر کو یقین دلا دوں گا۔ ایسے حالات پیدا ہو گئے تھے جنکے تحت ذکی صاحب کو ایسا کرنا پڑا۔ کیوں سعید الظفر صاحب آپ یقین کریں گے یا نہیں۔"

"ابھی میں کس طرح کہہ سکتا ہوں۔" سعید بولا۔

"اچھا ایک بات تو آپ مانتے ہی ہیں کہ اس ہار کی ہسٹری کا علم ترمذی خاندان یا آپ کے خاندان کے علاوہ اور کسی کو نہیں۔"

"یہ بات میں مان لوں گا۔"

"غلط میں بھی اس کی ہسٹری سے واقف ہو گیا ہوں اور یہ واقفیت اسی کی تلاش کے دوران میں بہم پہنچی ہے۔ سنیئے! اگر میں کہیں غلط کہوں تو ٹوک دیجئے گا کیا وہ ہار کئی پشتوں پہلے آپ کے خاندان کی ایک لڑکی کے ذریعے ترمذی خاندان میں نہیں پہنچا تھا۔ اُس لڑکی کی شادی ترمذی خاندان کے ایک فرد کے ساتھ ہوئی تھی اور وہ ہار جہیز میں دیا گیا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ اس کے متعلق ایک وصیت بھی تھی جو آج بھی قانونی حیثیت رکھتی ہے۔ اب وصیت سنیئے! اگر غلط کہوں تو ٹوک دیجئے گا۔ وصیت میں یہ تھا کہ اگر ترمذی خاندان کی اُس شاخ میں جس میں خلیلی خاندان کی لڑکی بیاہی جارہی ہے اگر کسی زمانے میں تنہا اولاد کوئی لڑکی ہو تو وہ اُسی صورت

میں اُس ہار کی مالک بن سکتی ہے جب وہ خلیلی خاندان میں واپس آ جائیگی اور اگر خلیلی خاندان میں کوئی لڑکا نہ ہو تو ہار ترمذی ہی خاندان کی ملکیت رہے گا۔ ہاں تو سعید صاحب! اگر رابعہ ترمذی صاحبہ سعید الظفر خلیلی کو بیاہی جاتی ہیں تو یہ ہار ان کی ملکیت رہے گا ورنہ نہیں۔"

یہ کون

حمید نے پلٹ کر فریدی کی طرف دیکھا۔ فریدی نے اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی۔ جس کا مطلب شاید یہ تھا کہ سیاہ پوش کا بیان درست ہے۔

رابعہ نے سر جھکا لیا تھا اور سعید الظفر سیاہ پوش کو آنکھیں پھاڑے گھور رہا تھا۔

"لیکن!" سیاہ پوش ہلکے سے قہقہے کے ساتھ بولا۔ "سعید الظفر خلیلی اور رابعہ ترمذی کی شادی ہرگز نہیں ہو سکتی۔ کیوں محترمہ رابعہ غلط کہہ رہا ہوں۔"

رابعہ کچھ نہ بولی۔

"ذکی ترمذی صاحب جانتے ہیں کہ یہ شادی نہیں ہو سکتی اسی لئے انہوں نے انتہائی پُر اسرار طریقے سے وہ ہار غائب کر دیا۔ اصلی کی جگہ نقل رکھ دی اور نقل قانونی طور پر خلیلی خاندان کو واپس کر دی جاتی۔ لیکن درمیان میں.... میں آ کودا.... اور ہار کا راز ظاہر ہو گیا۔"

"غلط ہے بکواس ہے۔ رابعہ تیز لہجے میں بولی۔ ڈیڈی ایسی اوچھی حرکت ہرگز نہیں کر سکتے۔"

"یقین کیجئے محترمہ رابعہ یہی ہوا ہے۔" اُس نے کہا۔ "اس کا تاریخی ہیرا بہت قیمتی ہے۔ شائد مغربی ممالک اس کے ڈیڑھ لاکھ پونڈ تک دے گذریں۔ ذکی صاحب آسانی سے اسے خلیلی خاندان میں واپس نہیں جانے دیں گے۔ کیوں سعید صاحب کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔"

"ہو سکتا ہے کہ آپ صحیح کہہ رہے ہوں.... لیکن وہ ہار۔" سعید بولا۔

"اس وقت بھی میرے پاس موجود ہے۔" سیاہ پوش ہلکی سی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "میں نے اُسے پالیا ہے۔ ضرورت پڑی تو میں وہ جگہ بتادوں گا جہاں سے یہ مجھے ملا ہے اور میں ذکی ترمذی کے خلاف ثبوت بھی فراہم کروں گا۔ میں حقیقتاً ڈاکو نہیں ہوں۔ لیکن اُس ہیرے کے متعلق پہلے ہی اظہار خیال کر چکا ہوں کہ میں اُسے بطور حق المحنت رکھ لوں۔ ہار کے دوسرے ہیرے بھی

کم قیمت نہیں رکھتے۔ خلیلی خاندان کی مالی حالت مضبوط کرنے کیلئے وہ بھی کافی ہوں گے۔ اب آپ لوگ اطمینان سے بیٹھے رہیں۔ ابھی وہ ہیرا ہار سے الگ کر کے ہار آپ کو واپس کیئے دیتا ہوں۔"

سعید الظفر بے چینی سے کرسی پر پہلو بدلنے لگا۔ رابعہ زرد ہو گئی تھی۔

سیاہ پوش نے جیب سے ہار نکالا اور اُسے روشنی میں لہراتا ہوا بولا۔ "مجھے خوشی ہے کہ خلیلی خاندان کے دن اب پھر جائیں گے۔ دوسرے ہیرے بھی کافی قیمتی ہیں۔"

پھر اُس نے ایک ننھا سا اوزار نکالا اور اُسے استعمال کرنے ہی جارہا تھا کہ فریدی ہاتھ میں ریوالور لئے ہوئے اندر داخل ہوا۔

"زیادہ بے صبری اچھی نہیں۔" اُس نے بھاری آواز میں کہا۔

ہار اور اوزار سیاہ پوش کے ہاتھ سے چھوٹ پڑے سیاہ پوش اچھل کر الگ ہٹ گیا۔ وہ بوکھلائی ہوئی نظروں سے ان دونوں آدمیوں کو دیکھ رہا تھا جن کے چہرے گیس ماسک میں چھپے ہوئے تھے۔

رابعہ اور سعید الظفر بھی کھڑے ہو گئے تھے۔

"پیارے مسخرے بھیڑیئے۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "اپنے ہاتھ اوپر اٹھالو میں جانتا ہوں کہ تم نے اپنے لباس کے نیچے بلٹ پروف پہن رکھا ہے لیکن میں سینے پر کبھی گولی نہیں مارتا۔ البتہ میرے ہاتھوں تم لنگڑے ضرور ہو سکتے ہو۔"

"تم کون ہو۔" مسخرہ بھیڑیا اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"تک چڑھا ریچھ.....!" سرجنٹ حمید نے کہا۔ "اور میں ایک خوش طبع بجو ہوں۔"

سیاہ پوش خاموش رہا۔

"اس کے جیب سے۔" فریدی نے حمید کو مخاطب کیا۔ "سنتھیلک گیس کے گولے اور ریوالور نکال لو۔"

حمید آگے بڑھ کر اُس کی جیبیں ٹٹولنے لگا۔ اُس نے شیشے کی دو گیندیں اور ایک ریوالور نکال کر میز پر رکھ دیا اور پھر اُسے ٹٹولنے لگا اس نے حمید کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے اور اس طرح کہ حمید کو اپنی کلائی کی ہڈیاں کڑکڑاتی معلوم ہونے لگیں پھر اُس نے حمید کے دونوں ہاتھ موڑ کر اُسے اپنے سامنے کر لیا۔ حمید کا سینہ فریدی کے ریوالور کے سامنے تھا۔

"ریوالور زمین پر ڈال دو۔" سیاہ پوش گرج کر بولا۔ "ورنہ میں اسے مار ڈالوں گا۔"

خوش طبع بجو کی سانس پھولنے لگی تھی۔ خوف کی وجہ سے نہیں بلکہ غصہ سے۔

فریدی نے ریوالور زمین پر ڈال دیا۔ لٹیرا حمید کی آڑ لئے الٹے پیروں پیچھے کی طرف کھسک رہا تھا۔ دفعتاً حمید نے اپنی ایک ٹانگ اُس کے پیروں میں اڑادی اور وہ دونوں میز سے ٹکراتے ہوئے زمین پر آرہے۔ میز الٹ گئی پھر شیشے کی گیندوں کے ٹوٹنے کی آواز سے کمرہ گونج اٹھا۔

''سعید.... رابعہ....!'' فریدی چیخا۔ ''باہر جاؤ۔ بھاگو۔''

وہ دونوں جھپٹ کر کمرے سے نکل گئے۔ حمید لٹیرے سے گتھا ہوا تھا اور کمرہ دھوئیں سے بھر رہا تھا۔ تیز قسم کی میٹھی بو پھیل رہی تھی۔

فریدی نے آگے بڑھ کر لٹیرے کے سر پر ٹھوکر ماری لیکن شائد اُس پر اثر تک نہ ہوا۔ دفعتاً حمید دور سے کراہا۔

فریدی نے بدقت تمام دونوں کو الگ کیا۔

لٹیرا قریب قریب بے بس ہو گیا تھا۔ فریدی اُسے گردن سے پکڑے ہوئے باہر لایا اور پھر انہوں نے اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دیں۔

''خدا کے لئے مجھے ذلیل نہ کرو۔'' لٹیرا بڑبڑایا۔

''ذلیل ہی کرنا ہے اسی لئے تمہیں یہاں آکر پکڑا ہے۔ ورنہ تم تو میری چٹکی میں تھے۔'' فریدی نے کہا۔

دھواں پوری عمارت میں پھیلتا جا رہا تھا۔ سعید اور رابعہ اپنی ناکوں پر رومال رکھے کھڑے کانپ رہے تھے۔

''اوپر کھلی چھت پر چلو۔'' فریدی نے انہیں اشارہ کیا۔ جب تک دھواں زائل نہ ہو جائے نیچے مت آنا۔

وہ سب زینے طے کرنے لگے۔ خوش طبع بجو مسخرے بھیڑیئے کو بڑی بے دردی سے دھکے دے رہا تھا۔

اوپر پہنچ کر فریدی اور حمید نے اپنے گیس ماسک الگ کر دیئے۔

''آپ لوگ۔'' رابعہ حیرت سے چیخ پڑی۔ حمید لٹیرے کو ٹٹول رہا تھا۔ دفعتاً فریدی کی طرف مڑ کر بولا۔ ''اُس نے نیچے سے اوپر تک اپنے لباس میں بلٹ پروف لگا رکھے ہیں۔ صرف پنڈلیاں

خالی ہیں۔ مگر بیٹا تم اتنے روسیاہ کیوں ہو۔"

"بلٹ پروف اور گیس کی گیندوں ہی کے بل بوتے پر تو یہ سب کچھ کر تا رہا ہے۔" فریدی نے کہا۔"اور یہ روسیاہی ایک جدید ترین ماسک کی ہے جو بیک وقت ایک مصنوعی چہرہ بھی ہے اور گیس ماسک بھی۔ اس کی جیکٹ کے نیچے آکسیجن کی تھلیاں بھی ہوں گی۔"

"مجھے کہیں اور لے چلو۔ میں استدعا کرتا ہوں۔" لٹیرا بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"سنو دوست! میں تمہیں یہیں ذلیل کرنا چاہتا ہوں۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہے کہ ایک مفلس اور بھوکا جیب کترا تو اپنے جرم کی پاداش میں جیل بھگتے اور تم اتنے بڑے مجرم محض اس لئے رعایت چاہتے ہو کہ تم فریدی کے دوست ہو۔"

"یہ آپ کا دوست ہے۔" رابعہ چیخ پڑی۔ حمید بھی حیرت سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"بدقسمتی سے۔" فریدی نے کہا اور اُس نے لٹیرے کے چہرے کی طرف اپنا ہاتھ بڑھادیا۔ لیکن وہ پھر فریدی سے لپٹ پڑا حالانکہ اُس کے دونوں ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں پھر بھی وہ کسی وحشی درندے کی طرح نکل بھاگنے کی جدوجہد کررہا تھا۔ حمید نے پیچھے سے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے۔ اس پر بھی جب وہ باز نہ آیا تو حمید اُسے گراکر اُس کے سینے پر چڑھ بیٹھا۔

فریدی نے مصنوعی چہرہ الگ کردیا لیکن اندھیرا ہونے کی وجہ سے کوئی اُسے دیکھ نہ سکا۔

"رابعہ ادھر آؤ۔" فریدی نے کہا اور جیب سے ٹارچ نکال کر لٹیرے کے چہرے پر روشنی ڈالی۔

"ڈیڈی....!" رابعہ کے منہ سے چیخ نکل آئی۔

"ذکی ماموں....!" سعید الظفر بھی چیخا۔

لٹیرا آنکھیں بند کئے چپ چاپ پڑا رہا۔ حمید بھی اس کی شکل دیکھتے ہی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"یہ آپ نے کیا کیا ڈیڈی۔" رابعہ اس پر گر کر سسکیاں لینے لگی۔"اوہ.... ڈیڈی آپ نے بہت بُرا کیا۔ ڈیڈی ہم منہ دکھانے کے قابل نہیں رہ گئے۔ ڈیڈی آپ تو لندن میں تھے۔"

ڈیڈی زندہ تھا۔ ہوش میں تھا۔ لیکن شائد اسے آنکھیں کھولتے شرم آرہی تھی۔ دوسری طرف حمید آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر فریدی کو گھور رہا تھا۔

"فریدی صاحب!" سعید آگے بڑھ کر بولا۔ "میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ اس معاملے کو دبادیا جائے۔"

"بھئی آخر کس طرح۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔"

"اگر آج والی اسکیم کی اطلاع آپ دونوں حضرات کے علاوہ اور کسی کو نہیں تو آسانی ہی سے ہو جائے گا۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید نے ذکی ترمذی کو اٹھایا۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا.... نہ تو وہ کچھ بول رہا تھا اور نہ سر ہی اٹھا رہا تھا۔

"اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں۔" سعید الظفر پھر بولا۔ "یہ بات مجھ تک ہی رہے گی۔"

"میں آپ کی شکر گذار ہوں سعید بھائی۔" رابعہ نے ہچکیوں کے درمیان کہا۔

وہ سب اوپری منزل کے ایک کمرے میں آئے۔ سعید نے سوئچ آن کر دیا۔ کمرے میں روشنی ہو گئی۔

"حمید ہتھکڑیاں نکال دو۔" فریدی نے کہا اور حمید حیرت سے اُس کا منہ دیکھنے لگا۔ فریدی نے سر کی جنبش سے اشارہ کیا۔ حمید نے آگے بڑھ کر ہتھکڑیاں نکال دیں۔

ذکی بدستور سر جھکائے رہا۔

"ذکی صاحب!" فریدی بولا "یہ مت سمجھئے گا کہ میں اپنے تعلقات کی بناء پر آپ کو چھوڑ رہا ہوں۔ رابعہ بڑی اچھی لڑکی ہے۔ یہ میں اُس کی خاطر کر رہا ہوں وہ پھر بھی آپ سے بہتر ہے کہ اُس نے اُسی قیمتی ہار کو ٹھکرا کر اپنی پسند کی شادی کرنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ میں اس لئے آپ کو چھوڑ رہا ہوں کہ رابعہ کی زندگی برباد نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ آپ کی گرفتاری کے بعد وہ حقیقتاً کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہ جاتی۔"

فریدی نے حمید سے ہار لے کر میز پر ڈال دیا۔ پھر وہ سعید الظفر کی طرف مڑ کر بولا۔ "مجھے امید ہے کہ آپ اپنے وعدے کے مطابق اُسے راز ہی رکھیں گے۔"

"ہمیشہ ہمیشہ! میں بھی آپ کا شکر گذار ہوں۔"

فریدی نے حمید کو واپس چلنے کا اشارہ کیا۔

سعید الظفر ان کے پیچھے تھا مگر ان دونوں باپ بیٹی نے اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کی۔ سعید الظفر خاموش تھا جب وہ دونوں پچھلے دروازے سے نکل رہے تھے تب بھی وہ کچھ نہ بولا۔

دروازہ بند ہو گیا۔ فریدی نے جھاڑیوں سے سوٹ کیس نکال کر اُس میں گیس ماسک رکھ دیئے۔

حمید بولا۔ "اب میرا دل چاہتا ہے کہ میں کتے کی طرح بھونکنے لگوں۔"

ایسا بھی ہوتا ہے فرزند! اگر اس نے اپنے کارناموں کے دوران میں کسی کو زخمی بھی کر دیا ہوتا تو میں اُسے نہ چھوڑتا۔

"رابعہ حقیقت سے ناواقف تھی۔" حمید نے پوچھا۔

"قطعی! وہ یہی سمجھے ہوئے تھی کہ ذکی لندن میں مقیم ہے۔ حالانکہ وہ محض ذکی کا پروپیگنڈہ تھا۔ وہ سرے سے انگلینڈ گیا ہی نہیں تھا میں نے انگریزی سفارت خانے میں چھان بین کی تھی۔ اس نام سے کوئی ویزا دیا ہی نہیں گیا تھا۔ البتہ اُس نے پاسپورٹ ضرور بنوالیا تھا۔"

وہ دونوں چل پڑے۔ فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔ "ہار کی ہسٹری تو تم اُسی کی زبانی سن چکے ہو۔ مجھے پوری ہسٹری نہیں معلوم تھی۔ بس اتنا جانتا تھا کہ وہ خلیلی خاندان سے ترمذی خاندان میں آیا تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ خلیلی خاندان سعید آباد میں آباد ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ پُراسرار طریقے پر غائب ہوا تھا اس لئے میں نے سوچا کہ خلیلی خاندان میں بھی اس کے متعلق پوچھ گچھ کرائی جائے۔ لہٰذا میں نے سعید آباد میں اپنے ایک ایجنٹ کو تار دے کر اُس ہار کے متعلق اہم باتیں معلوم کرائیں اور پھر میں نے سعید الظفر کو بھی تار ہی کے ذریعے تاکید کی کہ وہ ہار کے متعلق اپنی زبان بند کرے۔ یہیں سے میرا ذہن ذکی کی طرف منتقل ہوا تھا اور میں نے تمہارے ذریعہ یہ معلوم کرنے کی کوشش کی تھی کہ رابعہ کسی کو چاہتی تو نہیں۔ تم پتہ نہیں لگا سکے لیکن حقیقت یہی تھی کہ وہ سعید الظفر کی بجائے کسی اور سے شادی کرنا چاہتی تھی۔ ذکی اُسے اس سے باز نہ رکھ سکا تو ہار کا سب سے قیمتی ہیرا دبا بیٹھنے پر تل گیا۔ اور پھر اُس نے نقاب پوش لٹیرے کی حیثیت سے ہنگامہ برپا کرنا شروع کر دیا۔ اس وقت اگر وہ ہیرا نکال کر یہاں سے نکل گیا ہوتا تو رابعہ اور سعید یہی سمجھتے کہ ہیرا سیاہ پوش ہی لے گیا ہے اور سیاہ پوش کا پھر نام بھی نہ سنائی دیتا۔"

"لیکن آخر اتنی اودھم مچانے کی کیا ضرورت تھی۔ خود ذکی ہی ہار کی چوری کی رپورٹ درج کر سکتا تھا۔ اپنے گھر میں مصنوعی چوری کرا دیتا۔"

"پھر بھی ہار ہضم نہ ہوتا۔ جب پولیس کو اس کی ہسٹری معلوم ہوتی تو وہ کھلم کھلا خود اُسی پر شبہ کرتی اور اگر کہیں اُسے یہ بھی معلوم ہو جاتا کہ رابعہ سعید کی بجائے کسی اور سے شادی کر رہی ہے تو جانتے ہو کیا ہوتا۔"

"بالکل سمجھ گیا۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ "مگر وہ کالی گھٹا زہرہ جمال۔"

فریدی بے ساختہ ہنس پڑا۔ پھر سنجیدگی سے بولا۔ ”تم تو عورت کے نبض شناس ہو۔“

”ٹھیک ہے۔ مجھے اعتراف ہے۔“ حمید نے بڑی سعادت مندی سے کہا۔

”لیکن زہرہ کو نہ پہچان سکے۔ حمید صاحب وہ بڑی عظیم عورت ہے۔ اگر اپنے سینڈل کا سایہ بھی تمہارے سر پر ڈال دے تو تم فرشتہ ہو جاؤ۔ جانتے ہو اُس نے وہ کمرہ ہوٹل پام گروو میں کیوں لے رکھا ہے۔“

”پتہ نہیں آپ کیا اوٹ پٹانگ ہانک رہے ہیں۔“ حمید جھنجھلا کر بولا۔

”اوٹ پٹانگ نہیں پیارے۔ وہ سچ مچ ایک بڑی تجربہ کار نرس ہے۔ اپنے شوہر سے چھپ کر غریبوں کی مدد کرتی ہے۔ ارجن پورے کے مزدور تو اُسے پوجتے ہیں وہ خود ہی اس بات کا پتہ لگائے رکھتی ہے کہ کسی کے یہاں بچہ ہونے والا ہے اور وہ اپنی خدمات نہ صرف بلامعاوضہ پیش کرتی ہے بلکہ اُن کے لئے دوائیں بھی اپنے ہی خرچ پر فراہم کرتی ہے۔“

حمید کچھ نہ بولا۔ فریدی چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔ ”ضروری نہیں کہ ہر بدصورت عورت کسی خوبصورت مرد سے التفات مل جانے پر اس کے قدموں ہی میں آ رہے۔ زہرہ جمال صرف ہنس مکھ اور خوش اخلاق ہے۔ اگر کوئی مرد اس کی خوش اخلاقی کو اکاوٹ سمجھ لے تو اس میں اس کا کیا قصور.... اور تم صغیر بابر کو بوڑھا بھی نہ سمجھو۔ اس کے اندر شائد شیطان حلول کر گیا ہے۔ وہ اب بھی دس عورتیں رکھ سکتا ہے۔ مگر بڑھاپے نے اُسے شکی ضرور کر دیا ہے اور وہ زہرہ کے ہر ملنے والے کو مشتبہ نظروں سے دیکھتا ہے۔ بہر حال تم زہرہ کی وضع قطع سے دھوکا کھا گئے تھے۔ اچھا تم ہی بتاؤ کہ اگر اس کے طبقے کا کوئی آدمی اُسے اُس پھوہڑ قسم کے میک اپ میں دیکھ لیتا تو کیا وہ اُسے زہرہ ہی سمجھتا۔ میرا خیال ہے کہ اُسے گمان تک نہ ہوتا وہ صرف اتنا ہی سوچ کر رہ جاتا کہ وہ زہرہ سے بڑی مشابہت رکھتی ہے۔

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ دونوں گیرج تک پیدل ہی آئے۔ فریدی نے کیڈی نکالی۔ ”سخت بھوک لگی ہے۔“ حمید اپنے پیٹ پر ہاتھ مار کر بولا۔

”اوہو! میں تو بھول ہی گیا تھا۔ چلو کہیں کھائیں۔“ فریدی نے کہا اور کیڈی اسٹارٹ کر دی۔

”لیکن زہرہ کے یہاں اُن کپڑوں اور خط کی موجودگی کا کیا مطلب تھا۔“ حمید نے پوچھا۔

”مطلب صاف ہے....!“ فریدی بولا۔ ”ذکی کو شائد معلوم ہو گیا تھا کہ تم زہرہ پر کسی قسم

کا شبہ کر رہے ہو۔ اس لئے خود اس نے ہمیں اس طرف الجھائے رکھنے کے لئے یہ حرکت زہرہ اور بابر کی نادانستگی میں کی تھی۔ خیر میاں ختم کرو۔ اب مجھے اخبارات میں سیاہ پوش کی طرف سے ایک خط شائع کرانا پڑے گا کہ اس نے رابعہ کا ہار تلاش کر کے اُس تک پہنچا دیا ہے اور اب شہر سے ہمیشہ کے لئے باہر جا رہا ہے۔"

"ہائے وہ انگوٹھا۔" حمید سینہ پیٹ کر بولا۔ "اگر میں آپ کی جگہ ہوتا تو اُس کے باپ کو چھوڑ دینے کے سلسلے میں انگوٹھا چوسنے کی شرط ضرور پیش کرتا۔"

"چپ بے۔" فریدی نے اُس کی پیٹھ پر دھول جھاڑ دی۔

ختم شد

جاسوسی دنیا (ابن صفی)

جلد نمبر 1

1- دلیر مجرم

2- خوفناک جنگل

3- عورت فروش کا قاتل

4- تجوری کا راز

جلد نمبر 2

5- فریدی اور لیونارڈ

6- پراسرار کنواں

7- خطرناک بوڑھا

8- مصنوعی ناک

جلد نمبر 3

9- پراسرار اجنبی

10- احمقوں کا چکر

11- پہاڑوں کی ملکہ

جلد نمبر 4

12- موت کی آندھی

13- ہیرے کی کان

14- تجوری کا گیت

جلد نمبر 5

15- آتشی پرندہ

16- خونی پتھر

17- بھیانک جزیرہ

جلد نمبر 6

18- عجیب آوازیں

19- رقاصہ کا قتل

20- نیلی روشنی

جلد نمبر 7

21- شاہی نقارہ

22- خون کا دریا

23- قاتل سنگریزے

جلد نمبر 8

24- پتھر کی چیخ

25- خوفناک ہنگامہ

26- دوہرا قتل

جلد نمبر 9

27- چار شکاری

28- بے گناہ مجرم

29- لاشوں کا آبشار

جلد نمبر 10

30- مونچھ مونڈنے والی

31- گیتوں کے دھماکے

32- سیاہ پوش لٹیرا

جلد نمبر 11

33- برف کے بھوت

34- پر ہول سناٹا

35- چیختے دریچے

جلد نمبر 12

36- خطرناک دشمن

37- جنگل کی آگ

38- کچلی ہوئی لاش

جلد نمبر 13

39- اندھیرے کا شہنشاہ

40- پراسرار وصیت

41- موت کی چٹان

جلد نمبر 14

42- نیلی لکیر

43- تاریک سائے

44- سازش کا جال

جلد نمبر 15

45- خونی بگولے

46- لاشوں کا سوداگر

47- ہولناک ویرانے

48- لیونارڈ کی واپسی

جلد نمبر 16

49- بھیانک آدمی (عمران)

50- پاگل خانے کا قیدی

51- شعلوں کا ناچ

52- گیارہواں زینہ

جلد نمبر 17

53- سرخ دائرہ

54- خونخوار لڑکیاں

55- سائے کی تلاش

جلد نمبر 18

56- پہلا شعلہ

57- دوسرا شعلہ

58- تیسرا شعلہ

59- جہنم کا شعلہ

جلد نمبر 19

60- زہریلے تیر

61- پانی کا دھواں

62- لاش کا قہقہہ

63- ڈاکٹر ڈریڈ